

طَلْوَعِ اشْكَ

مُحَسَّنْ نَقْوَى

# طلوع اشک

حسن نقوی

حسن طلوع اشک دلیل سحر بھی ہے  
شب کٹ کئی چراغ نجھا دینا چاہیے

## ترتیب

انتساب ☆  
بے وارث لمحوں کی مقتل میں محسن نقوی ☆

## غزلیں، نظمیں

- |  |      |
|--|------|
| آر ہوئے خس میں کبھی خاک پہن کر آئے                   | - 1  |
| اشک اپنا کہ تمہارا نہیں دیکھا چاتا                   | - 2  |
| اب اے میرے احساسِ جنوں، کیا مجھے دینا                | - 3  |
| خمارِ موسمِ کوشبوحدِ چمن میں کھلا                    | - 4  |
| رشته، تشنہ لبی وقت سے جوڑا جائے                      | - 5  |
| رات ہمارا غم شناس، تھاوا، مگر وہ تو نہ تھا           | - 6  |
| زندگی، لوگ جسے مریم غم جانتے ہیں                     | - 7  |
| ہم ایسے لوگ بہت ہیں                                  | - 8  |
| مغرور ہی سہی، مجھے اچھا بہت لگا                      | - 9  |
| عجیب خوف مسلط تھا کل حوالی پر                        | - 10 |
| طلب کو اجر نہ دوں، فکر رہ گزر نہ کروں                | - 11 |
| شکل اُس کی تھی دلب روں جیسی                          | - 12 |
| سالگرہ   | - 13 |
| جنو، ٹھہر، چراغ، اجائے تو دے گیا                     | - 14 |
| سانسوں کے اس ہنر کونہ آس اخیال کر                    | - 15 |
| کچھ تو عہدِ خوں فشاںی اور ہے                         | - 16 |
| تمہیں کس نے کھا تھا                                  | - 17 |
| ابھی کھا ہے وہ ساعت؟                                 | - 18 |
| خوبیو ہے دھنک ہے چاندنی ہے                           | - 19 |
| لگنے کیوں خود سے مجھ کو پیارا، کبھی سمندر کبھی ستارہ | - 20 |
| سخنوروی کا جو محسن، کبھی ارادہ کرو                   | - 21 |
| جب بھر کے شہر میں دھوپ اُتری میں جاگ پڑا تو خواب ہوا | - 22 |

ناظرہ جمال میں شامل ہے آئینہ	-23
ہوائے بھر میں جو کچھ تھا ب کے خاک ہوا	-24
آنکھ میں بے کراں ملاں کی شام	-25
اے مری بے سھاگ تھائی	-26
ہمارے بعد سفیر صبا ہے آخر کون؟	-27
کب سے تم نے اپنا یا اس طرح کا ہو جانا	-28
زندگانی کی رمق مانگتے ہیں	-29
رہرو جادہ بقا بھی میں	-30
اے مرے کم نشاں!	-31
کبھی یاد آؤ تو اس طرح.....!	-32
اور دے گی سفر کو طول ہوا	-33
میں کہاں تیری داستان سے الگ؟	-34
ضد و سمیت بھی دل کو چھوڑنا ہو گا	-35
بول ہوا اس پار زمانے کیسے ہیں	-36
سو بار اُجڑ کے پھر بسا ہوں	-37
قبیلے والو!	-38
قدر جو ہر ہے جو پندار سمیت	-39
موسم کرب انتظار بھی جھوٹ	-40
تن پا اوڑھے ہوئے صد یوں کا دھواں شام فراق	-41
دیکھ رہیں احتیاط یوں نہ ابھی سننجھل کے چل	-42
اس دھوپ میں یہ قیض بھی اب مرحمت نہ کر	-43
شام افسر دہ سے کھد دو کہ قریب آجائے	-44
رات کی زلفیں برہم برہم	-45
سچا کے سر پر ستاروں کا تاج رکھتا ہے	-46
وہ بچھڑا کر جو مل گیا پھر سے	-47
یہ خوشبو کے بکھر جانے کا موسم!	-48
ذنکار ہے تو ہاتھ پہ سورج سجا کے لا	-49
دل میں اور چشم تر میں کیا کچھ تھا	-50
میرے کمرے میں اتر آئی خموشی پھر سے!	-51
اتنی فرصت نہیں اب اور سخن کیا لکھنا؟	-52
اس کو بجھنے سے بچالے اے غم یار کی رات	-53
کبھی غزل میں در آیا کھی فسانہ ہوا	-54
مرا ہونا نہ ہونا.....!	-55

پاگل لڑکی	- 56
میرے نام سے پھلے	- 57
دُور تک پھیلا ہے صحرائےِ اجل	- 58
و سعیتِ چشم تر بھی دیکھیں گے	- 59
راحتِ دل متاعِ جاں ہے ٹو	- 60
اب تو یوں دیدہ تر گھلتا ہے	- 61
منصبِ بقدرِ قامت کردار چاہیے	- 62
تھک جاؤ گی	- 63
پیر مرا شہرِ صحراء صفت!	- 64
چوتھو میں تیری پھرتا ہوں نچانے کب سے	- 65
ہوا چلی بھی تو خود سے ڈرادیا ہے مجھے	- 66
تم نہیں، بچپن کی ضد میں تم سی کلشنی لڑ کیاں	- 67
کاش! ہم کھل کر زندگی کرتے!	- 68
ستم کو مصلحتِ حسنِ تغافل کو ادا کہنا	- 69
سُن لیا ہم نے.....!	- 70
اتنا خالی تو گھر نہیں، ہم ہیں	- 71
تیرے بعد.....!	- 72
بھولے بسرے ہوئے بام و در کے لیے خواب کیا دیکھنا؟	- 73
نفس کو درد سے حاصل فراغ ہونا تھا	- 74
شام ہی شام پیش و پس اور ہوا کا سامنا	- 75
ابھی نہ رکنا.....!	- 76
حال مت پر چھ عشق کرنے کا!	- 77
رات بھی سفر بھی جگنو بھی	- 78
دل نے تھا جھیلی رات	- 79
عحد نامہ	- 80
تئی طرح سے نبھانے کی دل نے ٹھانی ہے	- 81
کبھی جو چھیر گئی یا درفتگاں محسن	- 82
دل تری رہندر میں کھو بیٹھے	- 83
کیسا علم تھا وہ جذبوں کے روکا عالم	- 84
درد سے بے نیاز ہونے دے	- 85
وہ لڑکی بھی ایک عجیب پہلی تھی	- 86
اور کیا ہیں اپنی بزم آرائیاں	- 87
کون یاد آتا ہے؟	- 88

- ترکِ محبت کر بیٹھے ہم ضبطِ محبت اور بھی ہے ..... 89
- اب کے سفر میں تشنہ لبی نے کیا بتلا میں کیا کیا دیکھا؟ ..... 90
- آنکھ بے منظر طلب نے آرزوایسی نہ ہی ..... 91
- تو کیا ہوگا..... 92
- دل کہاں کرب دل آزاری کہاں ..... 93
- خواب آنکھوں میں چھبوکردیکھوں ..... 94
- میں ترے شہر سے گذراتو..... ! ..... 95
- بکھرتا جسم میری جاں کتاب کیا ہوگا؟ ..... 96
- ختم ہوئے پیغامِ سلام ..... 97
- ابھی کیا کھیں..... ? ..... 98
- چمن میں جب بھی صبا کو گلاب پوچھتے ہیں ..... 99
- کہہ گئی چشمِ تر کی حیرانی ..... 100
- روشنی جب مرے مکان میں ہوا! ..... 101
- سُنا ہے زمیں پر..... ! ..... 102
- سورج کا خوف دل سے بھلا دینا چاہیے ..... 103
- سفر جاری رکھے (خالد شریف کے لئے) ..... 104

## انساب!

تو غزل اور ہر کے نکلے کہ دھنک اوٹ چھپے؟  
لوگ جس روپ میں دیکھیں، چھپے پہچانتے ہیں

یار تو یار ہیں، انیار بھی اب محفل میں  
میں ترا ذکر نہ چھیڑوں تو بُرا مانتے ہیں

کتنے لہوں کے غلافوں میں چھپاؤں مجھ کہ؟  
شہر والے مرے ”موضوع سخن“ جانتے ہیں

مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ میں نے پہلا شعر کب کہا تھا۔ (یہ بہت پہلے کی بات ہے) مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے پہلا ”چ“ کب بولا تھا؟ (یہ بھی شاید بہت پرانا قصہ ہے) پہلا شعر۔ اور پہلا چ۔ کون یاد رکھتا ہے؟۔ اور اتنی دُور پچھے مُرد کہنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ ادھر کون سی روشنی ہے؟ گھپ ادھیرے کی ریت پر ہانپتے ہوئے چند بے وارث لمحے۔ پچھتا وے کی زد میں جانے کب اور کہاں کھو گئے؟۔

مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔ کچھ بھی تو یاد نہیں

”ماضی“ بھی کتنا بخیل ہے۔ بھی بھی تو حافظے کی غربت کو نجود کر رکھ دیتا ہے۔ اور پھر اندر ہے کنویں کی طرح کچھ بھی تو نہیں اگلتا۔ اپنے اندر جھانکنے والوں سے پوری بینائی وصول کرتا ہے بیتے دنوں کے اُس گھپ ادھیرے میں بھی کیا کچھ تھا؟۔

میرا کچا مکان (جس کی پچھت کی کڑیوں سے میری سانیں آڑی ہوئی تھیں اُس مکان میں چلتا ہوا مٹی کا ”دیا“۔ جس کی پھیلی روشنی نے مجھے لفظوں کے باطن میں اُتر نے کا حوصلہ بخشا۔ گم صُم گلیوں میں چھیلتی ہوئی آوارہ دھوپ۔ جس نے مجھے اُداس راتوں کے پڑھوں سنائے سے اُنجھنے کا سلیقہ سکھایا۔ میلی دیواروں پھسلتی ہوئی چاندنی۔ جورا یگاں ہونے کی بجائے میرے خوابوں کی بے آواز بستی کا اٹاٹا شہ بن گئی۔ دھول میں لپٹی ہوئی بے خوف ہوا جو میرے مسلسل سفر کی اکیلی گواہی بن کر مجھے دلasse دیتی رہی۔ ناہموار آنگن میں ناچتی لوں سے جھلسنے چہروں کی مشقت جس نے مجھے محرومیوں سے بھجوتے کا انداز مستعار دیا۔ خشک ہونٹوں پر جمی ہوئی مسکراہٹ۔ جس نے مصائب و آلام کی بارش میں مجھے زندہ رہنے کا اعتقاد عطا کیا۔ سہمی بھیں۔ گونگی دوپھریں۔ بہری شامیں اور اندھی راتیں۔ کتنی کہانیوں

کو بُنتے بُنتے راکھ ہو گئیں۔ اور ان کہانیوں کا کوئی ایک ریزہ بھی میرے پاس نہیں ہے۔ میرے سب کچھ میرے ماضی کے پاس گروی ہے۔

اس ”سب کچھ“ میں میرا ہنستا کھلتا، پہلیاں بوجھتا اور شرارتیں سوچتا بچپن بھی شامل ہے جسے اُس کے کھلونوں سمیت میرے ماضی نے میری دسترس سے ڈور دفنا کر۔ اُس کے نشوش کھڑج ڈالے ہیں۔

ماضی کو کون سمجھائے کہ بچپن تو ہوتا ہی یاد کرنے کے لیے ہے۔ مگر میرا بچپن؟ کسی دیوار کی اوٹ جلتے دیکھتے تندور سے باہر جھا نکلتے ٹھعلوں سے اڑتی چنگاریوں کی طرح۔ جیسے فضا میں بکھر کر کہیں بجھ گیا ہے۔ دور بہت دور فضا میں تخلیل ہوتے ہوئے ڈھویں کے اُس پار کتنی شفیق آنکھیں کتنے صبح چہروں سے پھوٹتی ہوئی دعاوں کی گہر اور کتنی نیک روحوں کے قرب کی پاکیزہ خوبصورت آج بھی میرے پتے تکتے دل کی لو دیتی رگوں میں بر فیلمہ لمس کی شبتم انڈیلیتی محسوس ہوتی ہے۔

اور اب کیا سمجھئے۔ کہ اب تو آتے جاتے موسموں کا سماں و صرف سوچوں کے بہاؤ پر منحصر ہے معصوم ڈھویں کا بھولپن اب فقط شکستہ قلم کے شہرگ سے ملکتے ہوئے اہو کے بے ترتیب قطروں میں بھی بھی اپنا دھندا سا عکس دیکھ لیتا ہے۔ اور رایگاں جا گتی آنکھیں صرف تہائی کی اور یوں سے بہل کر سو جاتی ہیں یا کہیں کھو جاتی ہیں۔

گہرام مچاتی سانسوں کے اس جاں گداز اور آبلہ نواز سفر میں کیا کیا لوگ اپنا اپنا روگ دل میں لیے ڈھول اڑاتے سنائے کا ریزق ہوئے۔ کیسی کیسی رنگ رچاتی محفلیں اپنے تو انہنگاہوں سمیت پلک جھکتے آنکھ سے او جھل ہو گئیں۔ کیا کیا گندن چہرے اب اپنی پہچان کا حوالہ مجھ سے طلب کرتے ہیں۔

جیسے میں ان دنوں بے وارث لمحوں کے مقتل سے گذر رہا ہوں۔ لمحوں کا مقتل جس میں شام غریباں آہستہ آہستہ اتر رہی ہے۔

لمحوں کے اس مقتل میں میری مسافت ختم ہوتی ہے نہ شام غریباں کا ڈھوان سرد پڑتا ہے۔ میرے پاؤں میں آبلے بندھے ہوئے ہیں۔ جسم بارش سنگ ملامت سے داغ داغ اور ہونٹ مسلسل مصروف گفتگو۔ مگر کس سے؟ شاید رفتگاں کا راستہ بتاتی ہوئی ڈھول سے یا اپنے تعاقب میں آنے والے ان رہروں کی آہشوں سے؟ جو سفر کے الگ موز پر مسلط سنائے سے بے خبر ہیں۔ سنائا۔ جو بھی بھی دل والوں کی بستی پر شجوں کی بستی پر شجوں مار کر ساری سوچیں تمام جذبے اور کچے خواب تک نگل لیتا ہے۔

میرا قبیلہ میرے گرب سے نا آشنا ہے۔ میرے ساتھ جن بھروالوں نے سفر آغاز کیا تھا وہ یا تو راستے کی گرد اوڑھ کر سوچکے ہیں یا مجھ سے او جھل اپنی اپنی خندقیں کھودنے میں مصروف ہیں۔ اور میں کل کی طرح آج بھی ”اکیلا“ ہوں۔

میرے ارد گرد خراشوں سے اٹے ہوئے کچھ اجنبی چہروں کے کئے پھٹے خدوخال ہیں۔ بھوک سے مٹھاں بے نطق ولب ادھوری سوچوں کے پھر۔ ریزہ ریزہ خوابوں کی چھبھتی ہوئی کر چیاں۔ محرومیوں کے بوجھ تلے رینگتی خواہشوں کی ٹیڑھی میرڑھی قطاریں۔ دم توڑتی خستتوں کی بے ترتیب ہچکیاں۔ پائیں یدہ حسرتیں۔ سر زبانو وابہے۔ اور بدن دریدہ اندیشے۔ ایسے اجازت سفر میں کون میرے ڈکھ بانٹنے کو میرے

ساتھ چلے۔؟ یہاں تو ہوا کے سبھے ہوئے جھونکے بھی دبے پاؤں اُترتے اور چپ چاپ گزرتے ہیں۔ یہاں کون میرے مجرموں ہندبوں پر دلاسوں کے ”پھائے“ رکھے؟ کس میں اتنا حوصلہ کہ میری رواداد سنے؟ کوئی نہیں۔ سوائے میری سخت جان تنہائی کے۔ جو میری خالی ہتھیلیوں پر قسمت کی لکیر کی طرح ثبت ہے۔ میرے رنجگوں کی عملگسار اور میری تھکن سے پورا آنکھوں میں نیند کی طرح بھر گئی ہے۔

سنگاخ تنہائی کے اس بخوبی میں دیکھتے میکتے جذبوں کے گلب اگانا اور انہیں بے ربط آنسوؤں سے شاداب رکھنا میرا منصب بھی ہے اور میرافن بھی۔ بس اسی دھن میں سکوت کے ہولناک صحرائیں لمحہ سوچوں کی بستیاں باکر ان میں لفظوں کے رنگ رنگ چرا غروشن کرتا ہوں جانے کب سے جانے کب تک؟

ہوا مجھ سے برہم سنائیا میرے تعاقب میں، حادث مجھ سے دست و گریباں، صبحیں مجھ سے گریزاں اور شامیں، میری آنکھوں پر اندر ہیرا ”باندھنے“ کے لیے مضطرب۔ مگر میں (مسافت نصیب، سفر مزاج)۔ ”گرشته“ کی راکھ پر ”آنیندہ“ کی دیوار اٹھا کر اس کی منڈیر پر اپنی آنکھیں جلا رہا ہوں تاکہ میرے بعد آنے والوں کی تھکن لمحہ بھر کو سستا سکے۔ میں۔ تخيال بانٹتی اور تنہائیاں چھڑکتی ہوئی زندگی سے قطرہ قطرہ ”چع“ کشید کرتا اور پھر اس روشن ”چع“ کی دلکشی ہوئی پیشانی سے پھوٹتی شعاعوں کے ریشم سے بُنے ہوئے خیالوں کی ردا پر ”شاعری“ کاڑھتا ہوں۔

شعر کہنا میرے لیے نہ تو فارغ وقت کا مشغله ہے اور نہ ہی ”خودنمائی“ کے شوق کی تکمیل کا ذریعہ۔ بلکہ اپنے جذبات و محوسات کے اظہار کے لیے مجھے ”شاعری“ سے بہتر اور موثر پیرایہ ملتا ہی نہیں۔ میرے لاشعور کی تہہ میں بکھرے ہوئے تجربے اور مشاہدے حرفاً اور نقطہ نظر شعور کی پلکوں سے حواس کے آئینہ خانہ میں اُترتے اور ”شعر“ کی صورت میں بکھرتے چلے جاتے ہیں۔ اور پھر بھی میرا قلم اور بھی موج صدا کا ”زیر و بم“ انہیں امانت کے طور پر بصارتوں، بصیرتوں اور سماعتوں تک پہنچاتا ہے کیا جانے کب سے میری فگار انگلیاں کائنات کے خدوخال کو ذات کے شیشے میں سمیئنے کا قرض ادا کر رہی ہیں۔ اور میرا ”خونچکاں خامہ“ اپنے عہد کے انسان کا کرب کرید کر اس میں پوشیدہ خواہشوں اور حرستوں کو کاغذی پیرا ہن پر سجائے میں مصروف ہے؟ مجھے نہیں معلوم کہ فن کے صحرائیں اب تک میں نے کتنا سفر طے کیا ہے؟ میں پچھے مُر کر دیکھنے کا عادی نہیں ہوں۔ (جیسے پلٹ کر دیکھنے سے میں ”پتھر“ ہو جاؤں گا)۔

میں قدم قدم نئی جہت کی تلاش میں سرگردان ہوں، (ورنہ کی بجائے) کہ ایک ہی سمت میں ایک ہی انداز سے چلتے رہنے کی کیسا نیت اور ایک جیسی رفتار نہ صرف سفرگی کشش کو چاٹ لیتی ہے بلکہ حصول منزل کا اعتماد بھی چکنا پُور ہو کر رہ جاتا ہے۔

میرے سفر کی ڈور کا دوسرا سر امیری سائنس سے بندھا ہوا ہے میں لمحہ بھر کو رک گیا تو یہ ڈور ٹوٹ جائے گی۔

کسی بھی حساس اور سنجیدہ فنکار کے لیے مشکل ترین مرحلہ اس کے اپنے عہد کے تقاضوں کا ادراک اور ان تقاضوں کے مطابق موضوع کا انتخاب ہوا کرتا ہے۔ جو فنکار اپنے عہد سے بے خبر رہ کر تخلیق کی مشقت کرتا ہے وہ خود کلامی کی بھول بھلیوں میں بھک کریا

تورجعت پسندی کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے یا تشکیک کی زد میں ابہام کا شکار ہو کر فکری انتشار کے بروزخ کی "بے سمتی" میں اپنا آپ گنوایتھتا ہے۔ میرے نزدیک یہ بتیں کرنا اس لیے بھی ضروری ہیں کہ

عصری جبر، سماجی گھشن، سیاسی جس اور طبقاتی تضاد کی دلائل میں دھنے ہوئے جس معاشرے میں مجھے جذبوں کے اظہار کا اذن ملا ہے وہ بذاتِ خود تشکیک وابہام اور سکوت و تحریر کی سیاہ چادر اور ٹھکر سانس روکے ہوئے زندگی کی ساعتیں گرن رہا ہے۔ عدل و انصاف کے مقابلے میں ظلم اپنے پر پھیلائے دم توڑتے انسان کی ہچکیاں نگل رہا ہے۔ رستے مقتل بن گئے ہیں چورا ہوں سے بازو داؤگ رہا ہے، بازاروں میں درندگی برہمنہ رقص رُچا رہی ہے، "چج" سرعام مصلوب اور جھوٹ بُر ملامند آراء ہے جرم روانج بن گیا ہے۔ غارت گری روایت میں شامل ہو رہی ہے، دہشت گردی سے شہر سبھے ہوئے، وحشت صحراؤں پر مسلط، لہو کے رشتے کچے دھاگوں کی طرح ٹوٹ رہے ہیں۔

ریوں لگتا ہے جیسے ظلم و ستم کی سیاہ رات نے سورج کو چاڑا لایا ہے۔ دُکھ درد اور گُرب کی اس مسلسل رات، بے یقینی اور مایوسی کی دھول سے اُلیٰ ہوئی رات میں میری شاعری "طلوع اشک" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

"طلوع اشک" کی شاعری اپنے عہد میں بڑھتی ہوئی نفرتوں کے خلاف انسانی سانسوں کے ریشم سے بننے ہوئے ان نازک جذبوں اور دامگی رشتہوں کا ایک دھیما سا احتجاج ہے جن کی پہچان کا واحد حوالہ محبت ہے۔

"محبت" جو کلدروتوں کی آگ میں جلتے جھلسے جنگلوں کے اُس پارزیتؤں کی وہ شاخ ہے جس کی خوشبو کا دوسرا نام "امن" ہے۔

"طلوع اشک" میں نہ تو آپ کو عملی جدوجہد سے محروم کوئی "دعویٰ" نظر آئے گا۔ اور نہ ہی بے مقصد "ہنگامہ آرائی"۔

کیونکہ اپنے چاروں طرف بکھرے ہوئے ظلم، پھیلی ہوئی نفرت اور افراطی کے باوجود میں ابھی تک انسانی رشتہوں کی اہمیت، رُوح کی گہرائیوں میں پھیلتے پھوٹتے جذبوں کی توانائی، دامگی امن کی عالمگیر کشش، "چج" کی تحدیدی اور ادراک و آگہی پر "محبت" کے تسلط سے نہ تو مایوس ہو اہوں اور نہ ہی مخترف۔

مجھے یقین ہے کہ جب تک کائنات میں انسان کا وہ دباقی ہے۔ محبت اپنے تو انا جذبوں کی صداقت سمیت باقی رہے گی۔ میں نے محبت کو اپنے احساس، ادراک اور آگہی کی اساس بنایا ہے۔ اسے دھوپ دھوپ سمیٹا ہے اور پھر اپنے "اشعار" میں رنگ رنگ بکھیرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی سب پچھے میرا فن بھی ہے اور متاع قفن بھی۔

جہاں تک اپنے فن کے قد و قامت کی "بے محل" نمود و نمائش کا تعلق ہے میں ہمیشہ اس سے اجتناب کرتا ہوں، نہ ہی "خودستائی" کی بوسیدہ قبا اور ٹھکر "دوسروں" کو اپنی طرف متوجہ کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔

آخر "دستی شہرت" کے لیے اپنی قیمتی "انا" کو چھانی کرنے کی ضرورت کیا اور شوق کیوں؟ کہ دنیا میں جو ہے اُسے اپنے "اثبات" کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں اور جو

نہیں،" ہے اُس کے "ہونے" پر اصرار بے معنی۔ خیر یا الگ بحث ہے۔

مجھے اپنے تخلیقی سفر کے آغاز سے اب تک کسے کیسے صبر آزماء حل سے گزرننا پڑا؟ کس جان لیوا کرب کی شدت میں سانس لینا پڑا؟ کیسی کیسی چوٹ کھا کر مسکرانا پڑا؟ یہ کہانی دھرانے کا وقت ہے نہ فرصت۔ (پھر ہی)

ابھی آپ جلدی میں ہیں۔ اور مجھے بھی اپنا سفر جاری رکھنا ہے۔ میری آنکھیں اندر ہیروں کا تسلط قبول کرنے سے انکاری ہیں۔ میں اندر ہی رات کے جبرا کے خلاف کسی ایک ایک چنگاری کسی ایک آنسو کی طلب میں لمحو کا مقتل جھیل رہا ہوں۔ اور اپنے گرد بکھری ہوئی دست و پا پر یہ خواہشوں کی پڑش میں مصروف بھی۔ اندر ہی رات کے مسلسل جبرا کے خلاف کوئی جگنو، کرن، چنگاری یا کوئی ایک آنسو مجھے کچھ دیر اور حینے کا حوصلہ دے سکتا ہے۔ میں کچھ اور جاگ سکتا ہوں کہ مسلسل چاگتے رہنے کا اعزاز یہ کسی زندہ، روشن اور دلکتے ہوئے سورج کی صورت میں نہ کہی بلکی روشنی کی علامت کے طور پر ہی میری آنکھوں کو صدیوں تک کے لیے اجلے خوابوں کی دھنک میں مست اور مگن رکھ سکتا ہے۔ اگر آپ اندر ہی رات کے جبرا کے خلاف میرے ساتھ محبت اور امن کی روشنی بن سکتے ہیں تو اپنی آنکھیں میرے لفظوں میں انڈیل دیں کہ یہی میرے لیے روشنی کا استعارہ بن جائیں۔ ورنہ میری تہائی میرے بغیر اداس ہوگی۔

## محسن نقوی

جمعرات ۲۸ مئی ۱۹۹۲ لاہور



تُر ہوئے خون میں کبھی خاک پہن کر آئے  
ہم ہمیشہ نئی پوشائک پہن کر آئے

اک عجب رنگ سے نکلا وہ سر راہ کہ لوگ  
جسم پر دیدہ بے باک پہن کر آئے

ہم نے صدیوں کی ہتھیلی پر رکھی ہیں آنکھیں!  
کوئی لمحہ ترا ادراک پہن کر آئے!!

سانحہ کون سا گزرا ہے صبا سے پوچھو  
چند جھوٹکے خس و خاشاک پہن کر آئے

اشک شہر شب غم اپنی دعا ہے کہ کبھی  
مثیلِ خورشید تو افلاؤں پہن کر آئے

زخم کو ضد تھی میجانی سے اب کے ورنہ  
حرفِ مرہم کئی چالاک پہن کر آئے

آج مانا تھا اُسے زخم چھپا کر محسن  
ہم مگر جامنہ صد چاک پہن کر آئے



اشک اپنا کہ تمہارا نہیں دیکھا جاتا  
اُبر کی زد میں ستارا نہیں دیکھا جاتا

اپنی شہرگ کا لہوتا میں روایا ہے جب تک  
زیرِ خنجر کوئی پیارا نہیں دیکھا جاتا

موج در موج اُبھئے کی ہذنے بے معنی!  
ذوہنا ہو تو سہارا نہیں دیکھا جانا!

تیرے چہرے کی کشش تھی کہ پلٹ کر دیکھا  
ورنہ سورج تو دوبارہ نہیں دیکھا جاتا

آگ کی ضد پہ نہ جا، پھر سے بھڑک سکتی ہے  
راکھ کی تہہ میں شرارہ نہیں دیکھا جاتا

زخم آنکھوں کے بھی سہتے تھے کبھی دل والے  
اب تو ابرو کا اشارہ نہیں دیکھا جاتا

کیا قیامت ہے کہ دل جس کا نگر ہے محسن  
دل پہ اُس کا بھی اجارہ نہیں دیکھا جاتا



اب اے مرے احساس بخون، کیا مجھے دینا؟  
دریا اُسے بخشنا ہے تو صحراء مجھے دینا

تم اینا مرکاں جب کرو تقسیم تو ایسا!  
گرتی ہوئی ریا کا سایہ مجھے دینا!

جب وقت کی مرجھائی ہوئی شاخ سنجالو  
اس شاخ سے لٹونا ہوا لمحہ مجھے دینا

تم میرا بدن اوڑھ کے پھرتے رہو۔ لیکن  
مملکن ہو تو اک دن مرا چہرہ مجھے دینا

پھو جائے ہوا جس سے تو خوشبو تری آئے  
جاتے ہوئے اک زخم تو ایسا مجھے دینا

شب بھر کی مسافت ہے گواہی کی طلبگار  
اے صحیح سفر اپنا ستارہ مجھے دینا

اک درد کا میلہ کہ لگا ہے دل و جاں میں  
اک روح کی آواز کہ ”رستہ مجھے دینا“

اک تازہ غزل اذنِ خن مانگ رہی ہے  
تم اپنا مہکتا ہوا لجھے مجھے دینا!

وہ مجھ سے کہیں بڑھ کے مصیبت میں تھا محسن  
رہ رہ کے مگر اُس کا دلasse مجھے دینا



خمارِ موسمِ خوشبوِ حدِ چمن میں کھلا  
مری غزل کا خزانہ ترے بدن میں کھلا

تم اُس کا حسن کبھی اُس کی بزم میں دیکھو  
کہ ماہتابِ سدا شب کے پیرہن میں کھلا

عجب نشہ تھا مگر اُس کی بخششِ لب میں  
کہ یوں تو ہم سے بھی کیا کیا نہ وہ خن میں کھلا

نہ پوچھ پہلی ملاقات میں مزاج اُس کا  
وہ رنگ رنگ میں ہمٹا کرن کرن میں کھلا

بدن کی چاپ، بگہ کی زبان بھی ہوتی ہے  
یہ بھید ہم پہ مگر اُس کی انجمان میں کھلا

کہ جیسے ابر ہوا کی گرد سے گھل جائے  
سفر کی شام، مرا مہرباں تھکن میں کھلا

کہوں میں کس سے نثانی تھی کس میجا کی؟

وہ ایک زخم کہ محسن<sup>14</sup> مرے کفن میں کھلا



رشته تشنہ لئی وقت سے جوڑا جائے  
لمحے لمحے کی رگِ جان کو نچوڑا جائے

لئن تو جب ہے سفر کا کہ مرے آسدا!  
اپنے سائے کو بھی رستے میں نہ چھوڑا جائے

دل تجھے بھولنا چاہے بھی تو مشکل یہ ہے  
کس طرح سانس کی زنجیر کو توڑا جائے؟

شہرِ یاراں نہ سمجھی دشت و بیاباں ہی سمجھی  
سلیلِ دشت کو کسی سمت تو موڑا جائے

منصبِ شوق سے اُبھی ہے سناں کی خواہش  
مر کو سنگِ درِ جاناں پہ نہ پھوڑا جائے

وہ پکھلتا ہے کہاں ایک غزلِ محسن  
ایک تیشے سے تو گہوار نہ توڑا جائے



رات ہمارا غم شناس، تھا وہ مگر وہ تو نہ تھا  
دل زدگاں کے آس پاس، تھا وہ مگر وہ تو نہ تھا

سنگدل و برہنہ تن بانجھ رتوں کی بھیر میں  
ایک خیالِ خوش لباس، تھا وہ مگر وہ تو نہ تھا

صاحبِ حرفِ التماس تھے وہ، مگر وہ ہم نہ تھے  
واقفِ کربِ التماس تھا وہ، مگر وہ تو نہ تھا

شہر کی ساری تہمتیں جس کو نہ رام کر سکیں  
خوف کی رُت میں بے ہراس تھا وہ، مگر وہ تو نہ تھا

شوق کی ریگزار میں حاصلِ شام جستجو!  
ایک یقین تما قیاس تھا وہ، مگر وہ تو نہ تھا

مغلِ دوستاں میں بھی روشنیوں کے درمیاں!  
صرفِ مرے لیے اُداس تھا وہ، مگر وہ تو نہ تھا

محسن بے نوا کے بعدِ ماتھیانِ شہر میں!  
بے سرو بُرگ و بے حواس تھا وہ، مگر وہ تو نہ تھا



زندگی، وگ جسے مریم غم جانتے ہیں  
جس طرح ہم نے گزاری ہے وہ ہم جانتے ہیں

دد کچھ اور عطا کر کے ترے دو نواز  
یہ سناوارت ترے معیار سے تم جانتے ہیں

نمر برشہ چلے آئے ہیں کہ پھر برسیں  
ہم ترے شہر کا آئیں کرم جانتے ہیں!!

شہرتِ غم کا یہ دالم بے شب جہز کہ ہم  
مر سناۓ کو ترا دیدہ نم جانتے ہیں!

ہم کہ کھلتے تھے کبھی ضبطِ جنوں کی رُت میں  
حرفِ شیریں کو بھی اب قطرہ سم جانتے ہیں

ہم ایسے لوگ بہت ہیں۔۔۔

یہ راکھ راکھ رُتیں اپنی رات کی قسم  
تم اپنی نیند بچھاؤ، تم اپنے خواب پکو  
بکھرتی ڈوبتی نبضوں پر دھیان کیا دینا  
تم اپنے دل میں دھڑکتے ہوئے حروف سنو

تمہارے شہر کی گلیوں میں سیل رنگ بخیر  
تمہارے نقشِ قدم پھول پھول کھلتے رہیں  
وہ رہگز، جہاں تم لمحہ بھر ٹھہر کے چلو  
وہاں پر ابر جھکیں، آسمان ملتے رہیں

نہیں ضرور کہ ہر اجنبی کی بات سُو!  
ہر اک صدا پر دھڑکنا بھی دل کا فرض نہیں  
سکوتِ حلقة زنجیر در بھی کیوں ٹوٹے؟  
صبا کا ساتھ نبھانا جنوں پر قرض نہیں!

ہم ایسے لوگ بہت ہیں جو سوچتے ہی نہیں  
کہ عمر کیسے کٹی، کس کیساتھ بیت گئی؟  
ہماری تشنہ لبی کا مزاج کیا جانے؟  
کہ فصلِ بخششِ موجِ فرات بیت گئی؟  
یہ ایک پل تھا جسے تم نے نوج ڈالا ہے  
وہ اک صدی تھی جو بے التفات بیت گئی  
ہماری آنکھ لہو ہے، تمھیں خبر ہوگی  
چراغِ خود سے بجھا ہے کہ رات بیت گئی؟



مغرور ہی سبھی مجھے اپھا بہت لگا  
وہ اجنبی تو تھا مگر اپنا بہت لگا

روٹھا ہوا تھا، نہ تو پڑا مجھ کو دیکھ کر  
مجھ کو تو اس قدر بھی دلاسا بہت لگا

صحرا میں جی رہ تھا جو دریہ زن کے ساتھ  
دیکھا جو غور سے تو وہ پیاسا بہت لگا

لپٹا ہوا ہو گھر میں جیسے خزان کا چاند  
میلے لباس میں بھی وہ پیارا بہت لگا

ریشم پہن کے بھی میری قیمت نہ بڑھ سکی  
کھاڑ بھی اُس کے سامنے پہ مہنگا بہت لگا

محسن جب آئئے پہ مری سانس جنم گئی  
مجھ کو خود اپنا عکس بھی دھندا بہت لگا



عجیب خوف مسلط تھا کل ہویلی پر  
ہوا چراغ جلاتی رہی ہتھیلی پر

سُنے گا کون مگر احتجاج خوشبو کا؟  
کہ سانپ رہ چھڑتا رہا جنیلی پر

شب فراق، میری آنکھ کو تھکن سے بچا،  
کہ نیند وار نہ کر دے تیری سہیلی پر

وہ بے وفا تھا تو پھر اتنا مہرباں کیوں تھا؟  
بچھڑ کے اُس سے میں سوچوں اسی پہلی پر

بلا نہ گھر کا اندھیرا، چراغ سے محسن  
ستم نہ کر مری جا، اپنے یار بیلی پر



طلب کو اجر نہ دوں، فکر رگذر نہ کروں!  
سفر میں اب کے ہوا کو بھی ہمسفر نہ کروں

اُبھرتے ڈوبتے سورج سے توڑ لوں رشتہ  
میں شام اوڑھ کے سو جاؤں اور سحر نہ کروں

اُب اس سے بڑھ کے بھلا کیا ہو احتیاط وفا  
میں تیرے شہر سے گزروں تجھے خبر نہ کروں!

یہ میرے درد کی دولت، مری متاع فراق  
ان آنسوؤں کی وضاحت میں عمر بھر نہ کروں!

اُجاڑ شب کی خلیش بن کے ”بن“، میں کھو جاؤں  
میں چاندنی کی طرح خود کو ڈربدر نہ کروں!

وہ ایک پل کو دکھائی تو دے کہیں محسن  
میں جاں گنا کے بھی اُس پل کو مختصر نہ کروں!



شکل اُس کی تھی دبروں جیسی  
خو تھی لیکن ستگروں جیسی

اُس کے لب تھے سکوت کے دریا  
اُس کی آنکھیں سخنوں جیسی

میری پرواں جاں میں حائل ہے  
سانس ٹوٹے ہوئے پروں جیسی

دل کی بستی میں رونقیں ہیں مگر  
چند اجزاء ہوئے گھروں جیسی

کون دیکھے گا اب صلپیوں پر  
صورتیں وہ پیغمبروں جیسیں!

میری دنیا کے بادشاہوں کی  
عادتیں ہیں گداغروں جیسی

رُخ پر صحرا ہیں پیاس کے محسن  
دل میں اہریں سمندروں جیسی

## ساکرہ

زندگی -- تیز بہت تیز ہوا کا جھونکا  
جلتی بجھتی ہوئی شمعیں میں مہ سال مرے  
ڈھلتا سورج مرے ماضی کی لحد کا کتبہ  
ریگ صحرا کی لکیریں ہیں خدا و خال مرے

چاند میرے تن مجروح پہ سنگِ اعزاز  
دھوپِ چھاؤں مرے صد چاکِ بادے کا خراج  
سب ستارے مری پوشک کے پیوندِ نحیف  
میرے آنسو میرا ورثہ مری آنکھوں کا مزاج

میرا چہرہ مرے مقتولِ بُنر کی تاریخ  
میری آنکھیں مری ذکھتی ہوئی راتوں کے چراغ  
میرے ہونٹوں پہ مری پیاس کے نوحوں کا ہجوم  
میرے سینے پہ درخشاں مری توہین کے داغ

آج کی شام کہ ہر سال اسی شام کے ساتھ  
میری اکھڑی ہوئی سانسوں میں گرہ لگتی ہے  
آسمان وقت کے آنچل کی دھنک بُنتا ہے  
ساری دھرتیِ تین غریاں کی زرہ لگتی ہے

آج کی شام کہ ہر سال مرے زخمِ نواز  
مسکراۓ ہوئے کچھ پھول عطا کرتے ہیں  
کچھ مسیحا مری خاطر مرا دل رکھنے کو  
خط میں جینے کی دعا بھیج دیا کرتے ہیں

سالہا سال گزرنے پہ بھی اے دلِ زدگاں  
آج کی شام مناتے ہوئے ڈر لگتا ہے  
مسکراتے ہوئے چہروں کے بھنور ہیں لیکن  
آخری شمع جلاتے ہوئے ڈر لگتا ہے!

دل دھڑکتا ہے کہ جلتی ہوئی شمعوں کا دھواں  
شعلہ کرب میں تخلیل نہ ہو جائے کہیں  
جی لرزتا ہے کہ منظر کے ادھورے پن کی  
آج کی شام سے نیکیل نہ ہو جائے کہیں!

آؤ کچھ دیر کو ہم زخم شماری کر لیں  
اور کچھ دیر میں ہر شمع پکھل جائے گی  
آج کی بزم میں کھو جائیں، کہیں سو جائیں  
آج کی شام بھی کچھ دیر میں ڈھل جائے گی

جلتی بجھتی ہوئی شمعوں کا بھروسہ کیا ہے؟  
زندگی، تیز بہت تیز ہوا کا جھونکا



جنوں، گھر، چراغ، اجائے تو دے گیا  
وہ خود کو ڈھونڈنے کے حوالے تو دے گیا

اب اس سے بڑھ کے کیا ہو وراشت فقیر کی  
بچوں کی اپنی بھیک کے پیالے تو دے گیا

اُب میری سوچ سائے کی صورت ہے اُس کے گرد  
میں بجھ کے اپنے چاند کو ہالے تو دے گیا

شاید کہ فصلِ سنگ زنی کچھ قریب ہے  
وہ کھلینے کو برف کے گالے تو دے گیا

اہل طلب پر اُس کے لیے فرض ہے دُعا  
خیرات میں وہ چند نوالے تو دے گیا

محسن اُسے قبا کی ضرورت نہ تھی مگر  
دُنیا کو روز و شب کے دوشالے تو دے گیا



سماںوں کے اس بذر کو نہ آسمان خیال کر  
زندرہ ہوائی سماںوں کو میں صدائیں میں زیماں کر

مالی نے آج کتنی دعائیں وصول کیں  
کچھ پھول اک فقیر کی جھوپی میں ڈال کر

کل یوم بجز زرد زمانوں کا یوم ہے  
شب بھرنہ جاگ، مفت میں آنکھیں نہ لال کر

اے گرددباد، لوٹ کے آنا ہے پھر مجھے  
رکھنا مرے سفر کی اذیت سنjal کر

محراب میں دیے کی طرح زندگی گزار  
مُنہ زور آندھیوں میں نہ خود کو نڈھاں کر

شاید کسی نے بخل زمیں پر کیا ہے ظفر  
گھرے سمندروں سے جزیرے نکال کر

یہ تقدِ جاں کہ اس کا لفانا تو سہل ہے  
گر بن پڑے تو اس سے بھی مشکل سوال کر

محسن برہنہ سر چلی آئی ہے شام غم!  
غُربت نہ دیکھ، اس پہ بتاروں کی شال کر



کچھ تو عہدِ خون فشانی اور ہے!  
کچھ مری آنکھوں نے ٹھانی اور ہے!

وسعتِ صحرائے عالم سے ادھر  
دشتِ غم کی بیکرانی اور ہے

یا اوھو ری ہے گواہی عشق کی  
یا پھر اس کی بدگمانی اور ہے



یوں بضد ہے آنکھ رونے پر ابھی  
جیسے اس دریا میں پانی اور ہے

شعلہ خور شیدِ محشر کی قسم  
اس کا معیارِ جوانی ۔ اور ہے!

اک وہ خود ہے جھٹپٹے کی چاندنی!  
اک دوپتہ اُس پر دھانی اور ہے!!

سب رتیں دیکھی ہیں اس دل نے مگر  
اُب کے موسم میں گرانی اور ہے

ڈوب جانے والے ستارا صبح کا  
اُس کے آنے کی نشانی اور ہے

داستان ہے اور آنکھوں میں مگر  
دل میں پوشیدہ کہانی اور ہے!!

عشق میں محسن کہاں کا جیتنا؟  
ہارنے میں کامرانی اور ہے!!

## تمھیں کس نے کہا تھا؟

تمھیں کس نے کہا تھا؟  
دوپہر کے گرم سورج کی طرف دیکھو  
اور اتنی دیر تک دیکھو!  
کہ بینائی پکھل جائے!!

تعمیس کس نے کہا تھا؟  
آسمان سے ٹوٹی اندر گئی الجھتی بجلیوں سے  
دوستی کرلو  
اور اتنی دوستی کرلو  
کہ گھر کا گھر ہی جل جائے !!

تعمیس کس نے کہا تھا؟  
ایک انجائے سفر میں  
اجنبی رہرو کے ہمراہ دور تک جاؤ  
اور اتنی دور تک جاؤ!  
کہ وہ رستہ بدل جائے!

ابھی کہاں ہے وہ ساعت؟

ابھی کہاں ہے وہ ساعت  
کہ ہم دریدہ بدن  
ہیہ لباس کے پرزے  
پسرو خاک کریں  
جگر کے داغ اچالیں ابھو کے چھینتوں سے  
قبائے ضبط جداں کو  
خود سے چاک کریں  
ابھی کہاں ہے وہ لمحہ  
کہ جس کو اہل نظر  
طلوع موسمِ گلرنگ کی نوید کہیں!  
ابھی کہاں ہے وہ ساعت  
کہ جس کو ”عید“ کہیں !!



خوشبو ہے دھنک ہے چاندنی ہے  
 وہ اچھے دنوں کی شاعری ہے  
 بھیگے ہوئے پھول حرف اُس کے  
 رم جہنم کی زبان میں بوتی ہے  
 ہاتوں میں تھکن ہے شام جیسی  
 لبجے میں سحر کی تازگی ہے  
 یا یہ اُس کی صدای پھولپن ہے!  
 یا شمعِ سخن پکھل رہی ہے؟  
 چہرے یہ شفق سی گھل روٹھنی ہے  
 دریا میں شفقت کا گھل رہے ہیں  
 آنکھوں میں گلاب کھل رہے ہیں  
 کیا جانے وہ کب سے جاتی ہے?  
 برسا ہے خمار چاندنی کا!  
 یا اُس کی جیسی دمک اٹھی ہے?  
 کیا جانے وہ کیسے مسکراتی؟  
 ہیرے سے کرن سی چھن پڑی ہے!  
 چہرے پہ بکھر کے ڈلف اُس کی  
 سورج سے خراج مانگتی ہے  
 وہ محظ خرام یوں ہے -- جیسے

محسن نقوی

اک شاخ ہوا سے کھیلتی ہے

کلیوں بھر کی طرح سمت گئی ہے پل بھر کو سرک گیا جو آنچل

پرواہی نہیں کوئے کسی کی  
اپنے سے وہ کتنی اجنبی ہے!

آئینہ ہی دیکھتا ہے اس کو  
آئینہ کہاں وہ دیکھتی ہے؟

” وہ غنچہ دہن ” سکوت زادی کھلنے پر بھی کم ہی بولتی ہے

میں اس کے بغیر کچھ نہ سوچوں  
شاید وہ یہ بات سوچتی ہے

میں اس کی آنا کا پانکپن ہوں  
وہ میری غزل کی دلکشی ہے

میں گرم دنوں کی لہو کا موسم وہ سرد رُتوں کی سادگی ہے

اے وہ آپ خلوتیاں جینا! اپنی ہی مہم آگئی ہے!

اے عالمِ مُشتریانِ حسنِ قیمتی ہے وہ دونوں جہاں سے

میں اُس کی رفاقتون پر نازار  
بے وہ غردوں دوستی

سو بار میں اس سے کھو گیا ہوں  
ہنستی ہوئی پھر سے مل گئی ہے

مُحَسِّنٌ یہ نہ کھل سکے گا مجھ پر<sup>27</sup>  
وہ فن ہے کہ فن کی زندگی ہے!



لگے نہ کیوں خود سے مجھ کو پیارا، کبھی سمندر کبھی ستارہ  
مری مسافت کا استعارہ، کبھی سمندر کبھی ستارہ

تری مری قربتوں کا موسم بکھر کے تھے، سمت کے بکھرے  
ای لیے آنکھ میں اتارا۔۔۔ کبھی سمندر کبھی ستارہ

نیا نیا عشق کرنے والو ہمیں سے اس کا زیاب کبھی پوچھو  
بساط ہستی پر ہم نے ہارا، کبھی سمندر کبھی ستارہ

ترے لیے جانے کو مہکیں کبھی (گلتاں) کبھی چراغاں  
مرے لیے خواب کا اشارہ۔۔۔ کبھی سمندر کبھی ستارہ

وہ کہکشاں زاد و سلیل نگہت ہمارے ہمراہ چل پڑا تھا!  
کہاں تھا دردہ ہمیں گوارا۔۔۔ کبھی سمندر کبھی ستارہ؟

مرے بھکلنے پر جانِ محسن یہ طفر کیا کہ اس جہاں میں  
ہوئے ہیں بے سمت و بے کنارا۔۔۔ کبھی سمندر کبھی ستارہ



سخنوری کا بخششِ لب سے بھی ارادہ کرو  
کسی کی کا بخششِ لب سے بھی استفادہ کرو

اب اپنی تشنہ کی سے کرو کشید لہو  
غور ابر کرم اور بے باداہ کرو  
  
عدو کی ٹنگ دلی کو جو مات دینا ہے  
بدن کے زخم نہ دیکھو جبیں کشادہ کرو  
  
جو دیکھنا ہو تمھیں اپنے خال و خد کی کشش  
تو زیب تن کسی رُت میں قبائے سادہ کرو  
  
لکھا ہے کس نے لہو سے یہ ریت پر محسن  
ستم کرو تو مرے صبر سے زیادہ کرو



بھر کے شہر میں دھوپ اُتزی میں جاگ پڑا تو خواب ہوا  
مری سوچ خزاں کی شاخ بنی ترا چہرہ اور گلاب ہوا  
  
برفیلی رُت کی تیز ہوا کیوں جھیل میں کنکر پھینک گئی؟  
اک آنکھ کی نیند حرام ہوئی، اک چاند کا عکس خراب ہوا  
  
ترے بھر میں ذہن پکھلتا تھا، ترے قرب میں آنکھیں جلتی ہیں  
تجھے کھونا ایک قیامت تھا -- ترا مانا اور عذاب ہوا--!  
  
بھرے شہر میں ایک ہی چھرو تھا، جسے آج بھی گلیاں ڈھونڈتی ہیں  
کسی صح اُسی کی دھوپ کھلی، کسی رات وہی مہتاب ہوا  
  
بڑی عمر کے بعد ان آنکھوں میں کوئی ابر اُترا تری یادوں کا  
مرے دل کی زمیں آباد ہوئی مرے غم کا نگر شاداب ہوا  
  
کبھی وصل میں محسن دل ٹوٹا کبھی بھر کی رُت نے لاج رکھی  
کسی جسم میں آنکھیں کھو بیٹھئے کوئی چہرہ کھلی کتاب ہوا



نظارہ جمال میں شامل ہے آئینہ  
دیکھنے نہ کیوں کہ دید کے قابل ہے آئینہ

اے شامِ قرب اُس کو نظر چھو تو لے مگر  
مشکل یہ ہے کہ راہ میں حائل ہے آئینہ

پھر اہل دل کو ہے تری بخشش کا نظار  
پھر تیرے خدا و خال کا سائل ہے آئینہ

اک دن تو بن سنور کے مری سانس میں اُتر  
اس ریت ریت سانس کا حاصل ہے آئینہ

اک میں کہ تجھ کو دیکھنا چاہوں فلک تک  
اک تو کہ تیری دید کی منزل ہے آئینہ

پلکوں سے کر کشید شعاعوں کے ذائقے  
دریائے رنگ و نور کا ساحل ہے آئینہ

محسن میں کچھ تو آپ ہی نکڑے ہوا مگر  
کچھ میری خواہشات کا قاتل ہے آئینہ



ہوائے بھر میں، جو کچھ تھا، اب کے خاک ہوا  
کہ پیرہن تو گیا تھا، بدن بھی چاک ہوا

اب اُس سے ترک تعلق کروں تو مر جاؤں

بدن سے روح کا اس درجہ اشتراک ہوا

یہی کہ سب کی کمانیں ہمیں پہ ٹوٹی ہیں!  
چلو حساب صفت دوستاں تو پاک ہوا

پوچھ اپنی ظرف پھر سے لوٹنے کا عمل!  
کہ میں پہاڑ تھا، سمعنا تو مشت خاک ہوا

وہ بے سبب یونہی روٹھا ہے لمحہ بھر کے لیے  
یہ سانحہ نہ سہی پھر بُھی کربناک ہوا

اسی کے قرب نے تقسیم کر دیا آخر!  
وہ جس کا بھر مجھے وجہ انہاک ہوا

شدید وار نہ دشمن دلیر تھا محسن  
میں اپنی بے خبری سے مگر ہلاک ہوا



آنکھ میں بے کراں ملال کی شام  
دیکھنا، عشق کے زوال کی شام

میری قسم ہے تیرے بھر کادن  
میری حرث ترے وصال کی شام

دیکھی دیکھی ترے جمال کی صبح  
مہکی مہکی مرے خیال کی شام

روپ صدیوں کی دوپھر تھی محیط  
”اور ہنسنی“ ہے کہ ماہ وصال تھی شام

پھر وہی در وہی صدا محسن!

پھر وہی میں وہی سوال کی شام

## اے مری بے سہاگ تنهائی

اس سے پہلے کہ سوچ کا گندن  
شامِ غم کے اجازہ صرا میں!  
جل بجھے بجھ کے راکھ ہو جائے  
اس سے پہلے کہ چاہتوں کی یقیں  
واہموں کے بھنوں میں کھو جائے

اس سے پہلے کہ چاند کا جھومر!  
درد کی جھیل میں اُتر جائے!  
اور خواہش کی چاندنی کا غبار  
وقت کی آنکھ میں بکھر جائے

اس سے پہلے کہ اپنے دل کی ریس  
ایک اک کر کے ٹوٹی جائیں  
اور ظنا میں گلاب خوابوں کی  
اپنے ہاتھوں سے چھوٹی جائیں

اس سے پہلے کہ گھیر لے مجھ کو  
ہر طرف سے جلوزِ رسوائی  
قربتوں کے نشاں میٹا ڈالے  
ہجر کے زلزلوں کی انگڑائی

اے مری بے سہاگ تنهائی!  
مجھ سے پُرسہ لے اپنے پیاروں کا  
بجھتے اشکوں کے ان ستاروں کا  
جو ہر اک اجنہی کے رستے میں!

نور کی صبحِ زاد کی دُصْن میں  
جو کسی صبحِ زاد کی دُصْن میں  
رات بھر روشنی لٹاتے تھے!

اے مری بے سہاگ تہائی!  
آمرے پاس مجھ سے پڑسہ لے  
اُن گلابوں کا اُن سحابوں کا  
جس کی رُت میں جو برتستے تھے  
جن کے پل بھر کے لمس کی خاطر  
موسموں کے بدن ترستے تھے

اے مری بے سہاگ تہائی!  
اس سے پہلے کہ سانس تھک جائے  
شوق ڈھونڈے نئی گزر گا ہیں  
اس سے پہلے کہ بے نشاں تھہریں  
حضرتِ قرب کی سبھی راہیں  
میری گردن میں ڈال دے باہیں!

جو مرے کون تجھ کو چاہے گا؟  
میں بھی تیرپی طرح اکیلا ہوں!  
آنکھ میں لشکنی کا صحراء ہے!  
دل میں پاتال کی سی گہرائی!  
اور کیا ہو رہ شناسائی?  
اے مری بے سہاگ تہائی!



ہمارے بعد سفیرِ صبا ہے آخر کون؟  
تلائیں منزل جاناں میں ہے مسافر کون؟

رین خلوتِ شبِ چاندنی سے پوچھ کبھی  
کہ شہر شہر بھکتا ہے تیری خاطر کون؟

ہمیں عزیز تھی مقتل کی آبرو ۔۔ ورنہ  
بھرے جہاں میں ہے اپنے لہو کا تاجر کون؟<sup>33</sup>

ہمیں نے شیخ کا پندارِ خود سری توڑا  
وگرنہ اُس کی نظر میں نہیں تھا کافر کون؟

سخنوری ہمیں وجہ شرف نہیں محسن  
مگر ہمارے سوا شہر میں ہے شاعر کون؟



کب سے تم نے اپنایا، اس طرح کا ہو جانا!  
شب کو جاگتے رہنا، دن میں تھک کے سو جانا

شہر میں تو مجھ جیسی بے شمار آنکھیں ہیں  
تم بھی خیر سے جاؤ، تم نہ ان میں کھو جانا

عدل کی کٹھرے میں جرم بول پڑتا ہے  
 DAG DAG دامن سے کچھ لہو تو دھو جانا

زہر اگلتے سانپوں کی پھنکار تلتے؟  
ویرانوں میں دفن خزانے کیسے ہیں؟

جن کی چاک قمیضیں تیرے ہاتھ لگیں  
خاک پہنچتے وہ دیوانے کیسے ہیں؟

جن کے جھرمٹ میں شمعیں دم توڑ گئیں  
وہ پیارے پاگل پروانے کیسے ہیں؟

محسن ہم تو خیر خبر سے ڈر گزدے  
اپنے گھر کے لوگ نجانے کیسے ہیں؟



سو بار اجز کے پھر بسا ہوں  
جنگل ہوں مگر برا بھرا ہوں

ہر شخص میں ڈھونڈھتا ہوں خود کو  
شاید میں کسی میں کھو گیا ہوں۔!

اُب تیرا وصال --- رائیگاں ہے ا  
میں کب کا اُداس ہو چکا ہوں

اندھا ہوں پکڑ لے ہاتھ میرا!  
اے بھر کی شب میں بے عصا ہوں

خوش ہو اے بلندیوں کی خواہش  
میں نوکِ سن پر جج گیا ہوں

دریا کو شکست دی ہے میں نے  
مشکیزے میں پیاس بھر رہا ہوں

کرتا ہے قبول کون مجھ کو ---?  
کلتے ہوئے ہاتھ کی دعا ہوں

چج یہ ہے کہ اجنبی ہوں خود سے  
کہنے کو میں سب سے آشنا ہوں

اُلجھا ہوں یہ سوچ کر ہوا سے

میں شہر کا آخری دیا ہوں!

دن بھر کی تپش میں کون جھلے!  
میں شب کو بدن پہ اوڑھتا ہوں

محسن مجھے خود پر نقش ناز کیسا?  
میں یوں بھی مثال پر نقش پا ہوں

## قبیلے والو!

قبیلے والو!

تمہاری آنکھوں میں جب کبھی آفتاب اترے  
تو دیکھ لینا!

تمہاری بستی کی کچی گلڈنڈ یوں کو  
پھر نگل چکے ہیں

تمہارے پوپاں،  
سنگ بستہ ہولیوں میں بدل چکے ہیں

تمہارے اجلے مکان

آہن مزاج زندگی میں ڈھل چکے ہیں

تمہارے کھلیاں،

تیل پی کر اگل رہے ہیں دھویں کی فصلیں!

جہاں پا گئے تھے پھول، کھلتی تھیں نکھتوں کی رتیں ہمیشہ

وہاں پے بار و دنا چتا ہے، لہو کی برسات ہو رہی ہے

سحر کی چادر بچھا کے منحوس رات

پنجے پسارتی رات سورہی ہے!!

قبیلے والو!

تمہاری مہماں نواز یوں کی کہانیاں اب

فقط کتابوں میں رہ گئی ہیں!

محبتوں کے تمام جذبے

گہن لگے چاند کی طرح ماند پڑ چکے ہیں

تھکے ہوئے رہروں کی آنکھوں میں

نیند کا نور بانٹتے پیڑ جھڑ چکے ہیں  
 رتوں کے میلے اُجڑ چکے ہیں !!  
 کسی کی بارات میں ستارے  
 نہ مرنے والوں کے سوگ میں  
 آنکھم---کسی کی !  
 دل دھڑ کتے ہیں آہٹوں پر  
 نہ انتظارِ وصالِ جاناں میں  
 جاگتی ہیں اُداس آنکھیں  
 نہ اضطرابِ شکست پیاس  
 نہ موسمِ چاکِ بحیر و داماء !  
 کسی در تچ پا بخہرتی نہیں ہے  
 موجِ صبا کی دستک !

کوئی جلاتا نہیں اندر ہیروں کی صفائی میں  
 اپنی اناکی مشعل  
 کسی کے ماتھے پا ب ابھرتی نہیں ہے  
 اُجلے دنوں نے موسوں کی  
 رخشندہ تر نگارش !

قدم قدم سج گئے ہیں مقل  
 قدم قدم ہے لہو کی بارش !!  
 تمہارے رشتؤں کی ---  
 آب سر سے لکھی ہوئی مستقل عبارت  
 تمہاری تہائیوں کی دیمک نے چاث لی ہے!  
 قبلے والو !

تمہاری بستی کے اُس طرف  
 شہد کی ندی سے پرے  
 بہت دور--- دودھ کی نہر کے کناروں پر  
 ”موت“ منڈلا کے اپنے سوداگروں کے خیمے لگا رہی ہے!  
 قبلے والو !

مجھے نہ جھڑاؤ---  
 میں نے بے دست و پا ہوا سے یہی سنا ہے  
 کہ آنے والا ہر ایک موسم قضا کا موسم  
 کہ آنے والی ہر ایک ساعت  
 فنا بہ لب ہے  
 کہ آنے والا ہر ایک لمحہ  
 اُجل بہ پا ہے

مجھے نہ جھٹاؤ۔۔۔

اُب کے تازہ عذاب اُترے تو دیکھ لینا  
قبلے والو!

تمھاری آنکھوں میں جب کبھی آفتاب اُترے  
تو دیکھ لینا



قدر جوہر ہے جو پندار سمیت  
مجھ کو پرکھو ہرے معیار سمیت

روز مانگیں یہ دعا ۔۔۔ خانہ بدوش  
گھر نہ اجزیں درودیوار سمیت

کتنی بخبر ہوئی فصل آواز ۔۔۔!  
شہر چپ چاپ ہے بازار سمیت

کاش لوگوں کی طرح سوئے پھمن  
ہم بھی جائیں کبھی دلدار سمیت

کون کرتا قدو قامت کا حساب?  
اک قیامت تھا وہ رفتار سمیت

بُجھ جائیں کہیں آنکھیں میری  
یاد آ، مشعل رخسار سمیت

خاک اڑاتی ہوئی صدیوں سے اُدھر  
قافلے گم ہوئے سالار سمیت

جن کی بیت سے ہراساں اشکر!!  
بے نشاں اب ہیں وہ تلوار سمیت

خط کشیدہ رہی جرأت جن کی!  
سرکشیدہ ہیں وہی دار سمیت

ہوس درہم و دینار کی خیر  
لوگ لکنے لگے کردار سمیت

میں کہ محسن ہوں شہید ناموس  
دفن کرنا مجھے ---- دستار سمیت!!



موسمِ کرب انتظار بھی جھوٹ  
دل نہ مانے تو وصل یار بھی جھوٹ

جھوٹ ہے سب خزاں کا خمیازہ  
عکسِ رنگ رُخ بہار بھی جھوٹ

موت، تیری طلب بھی لغزش اُب  
زندگی، تیرا اعتبار بھی جھوٹ

وستِ داستان شوق، غلط  
کوشش حرف اختصار بھی جھوٹ

خلقتِ شہر مصلحت پیشہ  
ورنه فرمان شہر یار بھی جھوٹ

نارسائی کو راستے مشکل!  
کور چشمی کو کوہسار بھی جھوٹ

دُور سے پیاس کو سراب، چناب  
اہل صحراء کو آبشار بھی جھوٹ

دسترس کا طسم بھی ہے ورنہ  
ساعتِ جبرا اختیار بھی جھوٹ

پیر ہن خونِ دل میں تر کر لو  
ورنه دامانِ تار بھی جھوٹ

صرف اُس کا سفر ہے چج محسن ---!  
میری رہ بھی مرا غبار بھی جھوٹ



تن پہ اوڑھے ہوئے صدیوں کا ڈھواں شامِ فراق  
دل میں اُتری ہے عجب سوختہ جاں شامِ فراق

خواب کی راکھ سینئے گی، پکھر جائے گی!  
صورتِ شعلہ خورشید رُخان، شامِ فراق

باعثِ رونق اربابِ جنوں --- ویرانی!  
حاصلِ وحشت آشفۂ سراں شامِ فراق

تیرے میرے سمجھی اقرار دیں پکھرے تھے  
سر جھکائے ہوئے بیٹھی ہے جہاں شامِ فراق

اپنے ماتھے پہ سجا لے تیرے رُخسار کا چاند!  
اتنی خوش بخت و فلک ناز کہاں شامِ فراق؟

ڈھلتے ڈھلتے بھی ستاروں کا لہو مانگتی ہے  
میری بجھتی ہوئی آنکھوں میں روای شامِ فراق

اب تو ملبوس بدل کاگل بے ربط سنوارا!

بجھ گئیں شہر کی سب روشنیاں، شامِ فراق

کتنی صدیوں کی تھکن اس نے سمیٹی محسن  
یہ الگ بات کہ اب تک ہے جو ان شامِ فراق



دیکھ رہیں احتیاطِ یوں نہ ابھی سنبھل کے چل  
صورتِ موجِ تندِ خوست بدلت بدلت کے چل

قریبِ جاں کے اُس طرف روشنیوں کی بھیڑ ہے  
آج حدودِ ذات سے، چار قدمِ نکل کے چل

دشتِ انا میں ہے تجھے تیرگیوں کا سامنا!  
ذہن سے برف پھیل دے دھوپِ بدن پہ مل کے چل

موج ہوا سے کر کشید، اور سفر کا حوصلہ  
راہ کے خارِ خار کو پھول سمجھ، مسل کے چل

موسمِ بے قبا نہ ہر، وقتِ وداعِ شوق ہے  
اوڑھ لے راتِ بھر کی، درد کی لے میں ڈھل کے چل

نکتیہِ رازِ دلنشیں کون زماں کہاں زمیں؟  
تو بھی تو بے کنار ہو، تھہ سے بھی اُبل کے چل

جاگ بھی محسنِ حزین، زندگیوں کا بھید پا  
سانس کی ہر سراط پر ساتھ سدا اجل کے چل



اس ڈھوپ میں یہ فیض بھی اب مرحمت نہ کر

مجھ پہ گزرتے ابر کے سائے کی چھت نہ کر

اس دل کو فتح کر کے گزر جا --- کہ خیر ہو  
آباد اس زمیں پہ کوئی سلطنت نہ کر

غُبت میں ٹوٹنے کا نظرِ مت سماں مجھے  
میں سنگ را ہوں مجھے شیشه صفت نہ کر

اوقات بھول جاؤں گا اتنی اڑان سے  
رہنے دے اب تو مجھ کو فلک مرتبہ نہ کر

ناپیں گے کل مرے قد و قامت سے تجھ کو لوگ  
اب اتنی بے دلی سے تو میری بُت نہ کر

اب دکھ تیرے اپنے مقائب کھڑا ہوں میں  
میں نے کہا نہ تھا کہ میری تربیت نہ کر

محسن تو آبروئے قلم کا امین ہے  
سوداگران فن کی کبھی منقبت نہ کر

## شام افردہ سے کہہ دو کہ قریب آجائے

پھر سے کجاںی ہوئی شام شب افردہ!  
اپنے ہاتھوں میں لیے گل شدہ شمعوں کی قطار  
اپنے دامن کو سمیئے ہوئے صدیوں کا غبار  
اپنی پلکوں پہ لیے خاک رہ لیل و نہار  
میرے اجزے ہوئے آنگن میں اُتر آتی ہے

بال بکھرائے ہوئے شام شب افردہ!  
تن پہ اوڑھے ہوئے بے ربط خیالوں کا دھواں  
زرد آنکھوں میں سمیئے ہوئے فریاد و فغاں

مثُلِ مجروحِ لبَّاں صورتِ آشفۃ سرای  
مانگنے آئی ہے مدفن میچ و سال کی یاد  
جن کی تقدیر نہ شہرت تھی نہ رسوائی ہے

آج کی باتِ نہیں آج سے پہلے بھی یونہی  
آتے جاتے ہوئے لمحوں کے بکھرتے پُرزے  
جب ہوا نُرد ہوئے دل پہ قیامتِ ٹوٹی  
آنکھ میں ٹوٹ کے چھتے رہے اک عمر کے خواب  
شامِ افردہ کو دینا پڑا لمحوں کا حساب  
اپنا حاصل تو وہی روز کی تہائی ہے!

آج کچھ اور ہی عالم ہے پس قریبِ جاں  
آج کچھ اور ہی منظر ہے سرخ زماں  
آج محرابِ دل و جاں میں کوئی عکس نہیں  
حدِ امکاں پہ سرابوں کا سفرِ ختم ہوا  
ازکراں تابہ گراں زرد خلاوں کا گماں  
آج خاکستِ امید کی تہ نخ بستہ  
شہرِ افسوس کی ہر ایک روشن ویراں ہے  
ٹوٹتے خواب نہ مدفن مہ و سال کی یاد  
دل میں روشن کوئی چہرہ نہ خدوخال کی یاد!

دشتِ امکاں میں بس اک نقشِ فنا لہرائے  
بجھتی جاتی ہے رگِ جاں میں لہو کی گردش  
آنکھ میں پھیلتے جاتے ہیں قضا کے سائے  
شامِ افردہ سے کہہ دو کہ قریب آجائے

اپنے اشکوں کی مدارات رہے یا نہ رہے  
لب پہ پھر حرفِ مناجات رہے یا نہ رہے  
آج کے بعد ملاقات رہے یا نہ رہے

ختم ہونے کو ہے تکرارِ لب افردہ  
اس سے پہلے کہ ڈھلنے شامِ شب افردہ  
شامِ افردہ سے کہہ دو کہ قریب آجائے



رات کی زفیں برہم برہم درد کی کوئے مدد حم مدد حم  
 میرے قصے گلیوں گلیوں تیراچر چا عالم عالم  
 یاقوتی ہونٹوں پر چمکیں اُس کی آنکھیں نیلم نیلم  
 چہرہ لال گلب کاموس بھیگی پلکیں شبنم شبنم  
 ایک جزا ہے جنت جنت ایک خطے آدم آدم  
 ایک لہو کے رنگ میں غلطان مقل مقل پر چم پر چم  
 ایک عذاب ہے بستی بستی ایک صدابے ما تم ما تم  
 ساری لاشیں نکڑے نکڑے ساری آنکھیں پر نم پر نم  
 بھر کے لمحے زخمی زخمی اُس کی یادیں مرہم مرہم  
 داد طلب اعجازِ عصمت عیسیٰ عیسیٰ مریم مریم  
 محسن ہم اخبار میں گم ہیں  
 صفحہ صفحہ کالم کالم



سجا کے سر پہ ستاروں کا تاج رکھتا ہے!  
 زمیں پہ بھی وہ فلک کا مزاج رکھتا ہے  
 سنورنے والے سدا آئینے کو ڈھونڈھتے ہیں  
 بچھڑ کے بھی وہ مری احتیاج رکھتا ہے?  
 ہم اُس کے حسن کو تنخیر کر کے دیکھیں گے!  
 جیسیں پہ کون شکن کا خراج رکھتا ہے

ترے بغیر بیہاں کون زیر سایہ لب  
جرات دل و جاں کا علاج رکھتا ہے؟

خفا کسی وہ سخاوت سرشت جب بھی ملے!  
بھرم آنا کا محبت کی لاج رکھتا ہے

صبا خرام خزاں پیرہن بہار بدن ۔۔۔!  
وہ موسموں کا عجب امتزاج رکھتا ہے

چرا کے آنکھ سے کچھ خواب رکھ لیے محسن  
کسان جیسے بچا کر انماج رکھتا ہے



وہ پھر کر جو مل گیا پھر سے  
گل اندیشہ کھل گیا پھر سے!

اے رہین جلوس لالہ رُخان!  
کچھ خبر لے کہ دل گیا پھر سے

لے اڑی پھر ہوا زمین سے اشک  
ریشنہ آب و گل گیا پھر سے

بھر کی زد میں پھر بدن اپنا  
اک مگان تھا کہ بل گیا پھر سے

شکریہ اے ہوئے ضبط جنو!  
پیرہن جاں کا سل گیا پھر سے

پھر سے ہم اس چتل، ٹل گیا پھر سے  
اس کے چہرے کا ”” ٹل، ٹل“ گیا پھر سے



یہ خوبیوں کے بکھر جانے کا موسم!  
 پہی موسم ہے مر جانے کا موسم!!  
  
 وداع دست و دام کی گھری ہے  
 کہ کوت آیا ہے گھر جانے کا موسم  
  
 گنو لمحے کھلی آنکھوں سے شب کے  
 یہ ہے سوتے میں ڈر جانے کا موسم  
  
 کئی ابھی رتوں کے بعد آیا۔۔۔  
 تری زلفیں سنور جانے کا موسم  
  
 سفر تھا کون جانے کس غریب میں؟  
 وہ بھول آیا نکھر جانے کا موسم  
  
 زمیں کی پیاس کو کب راس آیا؟  
 چڑھے دریا اُتر جانے کا موسم  
  
 وہی ہم ہیں وہی مقتل کی دھج ہے  
 وہی جاں سے گزر جانے کا موسم  
  
 وہی اُس کے سفر کا تیز لمحہ!  
 وہی دل کے بھر جانے کا موسم  
  
 یہاں زیر زمیں بننے کی خواہش  
 وہاں گھسار پر جانے کا موسم  
  
 وہ بستی چاند سے چہرے وہ آنکھیں!  
 یہ موسم ہے اُدھر جانے کا موسم!

قیامت کو ہے دل سادہ چہ محسن  
تھکی کر جانے کا موسم



فن کار ہے تو ہاتھ چہ سورج سجا کے لا  
بجھتا ہوا دیا نہ مقابل ہوا کے لا

دریا کا انتقام ڈبو دے نہ گھر ترا؟  
ساحل سے روز روز نہ سنکر اٹھا کے لا

اب اختتام کو ہے سخنی حرف التماس  
کچھ ہے تو اب وہ سامنے دستِ دعا کے لا

پیاس وفا کے باندھ مگر سورج سورج کر  
اس ابتدا میں یوں نہ سخن انتہا کے لا

آرائشِ جراحت یاراں کی بزم ہے  
جو زخم دل میں ہیں سھی تن پر سجا کے لا

تحوڑی سی اور موج میں آ، اے ہوائے گل  
تحوڑی سی اُس کے جسم کی خوبیوں پر اٹھا کے لا

گر سوچنا ہیں ابل مشیت کے حوصلے  
میداں سے گھر میں ایک تومیت اٹھا کے لا

محسن اب اُس کا نام ہے سب کی زبان پر  
کس نے کہا کہ اُس کو غزل میں سجا کے لا



دل میں اور چشمِ تر میں کیا کچھ تھا  
تجھ سے پہلے نظر میں کیا کچھ تھا

وہ جو لٹ کر ہوئے ہیں شہر بدر  
اُن سے پوچھو کہ گھر میں کیا کچھ تھا؟

خیر گزری کہ سج گئے مقتل!  
ورنہ سودا تو سر میں کیا کچھ تھا؟

دھول اڑنے لگی تو ..... یاد آیا  
کل تک اس رگزرا میں کیا کچھ تھا؟

دیکھ اب کے سفر میں کچھ بھی نہیں  
سوق اگلے سفر میں کیا کچھ تھا؟

دخل گئی دھوپ بُجھ گیا سورج  
سایہ بام و در میں کیا کچھ تھا؟

پوچھ اپنی اُداس آنکھوں سے!  
میرے دل کے کھنڈر میں کیا کچھ تھا؟

کچھ تو بول اے ستارہ آخر!  
شب کے پچھلے پھر میں کیا کچھ تھا؟

جو ترے نگنی لب سے چھوٹی تھی  
اُس نشیلی سحر میں کیا کچھ تھا

تیرے نزدیک بے بُنر بُنھرے  
ورنہ اپنے بُنر میں کیا کچھ تھا

تو نے بھی تھی جو بدستِ صبا!

کیا کہیں اُس خبر میں کیا کچھ تھا؟

ہم نے مانگی تھی جو بوقتِ وداع!  
اُس دعا کے اثر میں کیا کچھ تھا؟

جب لعل تھے چھو لیا تو کیوں سوچیں?  
خُسن لعل و گھر میں کیا کچھ تھا؟

عشرتِ ابر پر نہ جا محسن!  
حرستِ کوزہ گر میں کیا کچھ تھا؟

### میرے کمرے میں اتر آئی خموشی پھر سے!

میرے کمرے میں اتر آئی خموشی پھر سے  
ساپے شام غریبائ کی طرح  
شورشی دیدہ گریاں کی طرح  
موسمِ نیج بیباں کی طرح  
کتنا بے نقط ہے یادوں کا ہجوم  
جیسے ہونٹوں کی فضائی خستہ  
جیسے لفظوں کو گہن لگ جائے  
جیسے روٹھے ہوئے رستوں کے مسافر چپ چاپ  
جیسے مرقد کے سر پانے کوئی خاموش چراغ  
جیسے سنان سے مقلل کی صلیب!  
جیسے کجلائی ہوئی شب کا نصیب!  
میرے کمرے میں اتر آئی خموشی  
پھر سے!

پھر سے زخموں کی قطار میں جا گیں!  
اولِ شام چراغائ کی طرح!  
ہرنئے زخم نے پھر یاد دلایا مجھ کو  
ای کمرے میں کچھی

خفلِ احباب کے ساتھ  
گنگنا تے ہوئے لمحوں کے شجر پھیلتے تھے  
رقص کرتے ہوئے جذبوں کے دہکتے لمحے  
قریبِ جاں میں لہو کی صورت  
شمیع و عدہ کی طرح جلتے تھے!  
سانس لیتی تھی فضا میں خوشبو  
آنکھ میں "گلبینِ مر جاں" کی طرح  
سانس کے ساتھ گہرڈھلتے تھے!  
آج کیا کہیے کہ ایسا کیوں ہے؟

### شام چپ چاپ فضائی بستہ

دل، مرادل کہ سمندر کی طرح زندہ تھا  
تیرے ہوتے ہوئے تنہا کیوں ہے؟  
تو کہ خود پشمہ آواز بھی ہے  
میری محروم مری ہمراز بھی ہے!  
تیرے ہوتے ہوئے ہر سمتِ ادا سی کیسی؟

### شام چپ چاپ فضائی بستہ

دل کے ہمراہ بدن ٹوٹ رہا ہو جیسے!  
روح سے رشتہ جاں چھوٹ رہا ہو جیسے!!

اے کہ تو پشمہ آواز بھی ہے  
حاصلِ نغمگی ساز بھی ہے!  
لب گشا ہو کہ سرِ شامِ فگار  
اس سے پہلے کہ شکنڈہ دل میں  
بد گمانی کی کوئی تیز کرن پڑھ جائے  
اس سے پہلے کہ چراغِ وعدہ  
یک بیک بجھ جائے!  
لب گشا ہو کہ فضا میں پھر سے  
جلتے لفظوں کے دہکتے جگنو  
تیر جائیں تو سکوتِ شبِ عربیاں ٹوٹے  
پھر کوئی بندگریاں ٹوٹے!  
لب گشا ہو کہ مری اُس اُس میں  
زہر بھردے نہ کہیں  
وقت کی زخم فروشی پھر سے

لب کشا ہو کہ مجھے ڈس لے گی  
خود فراموشی پھر سے  
میرے کمرے میں اُتر آئی  
خموشی پھر سے !!



اتنی فرصت نہیں اب اور سخن کیا لکھنا؟  
بس بہ اندازِ غزل اُس کا سراپا لکھنا

اُس کی آنکھوں میں مغلتے ہوئے دریا پڑھنا  
دل کو سیالاب کے موسم میں بھی پیاسا لکھنا

بزمِ خورشید رُخان میں وہ الگ سب سے الگ  
حلقہِ گل بدناء میں اُسے یکتا --- لکھنا

اُس کی ڈلفوں میں اندھروں کو پکھرنے دینا  
اُس کے چہرے کو مگر چاند کا تکڑا لکھنا

اُس کے ابرو کو ہلال شب وعدہ کہنا  
اُس کے رُخار کی سُرخی کو شفقت سا لکھنا

اُس کے ماتھے پہ سجانا کئی صبحوں کے ورق  
اُس کی جھکتی ہوئی پلکوں پہ فسانہ لکھنا

اُس کی آہٹ سے چُرا لینا چٹکتی کلیاں  
اُس کے قامت پہ قیامت کا قصیدہ لکھنا

گھولنا ڈھوب میں خود اُس کے بدن کی چاندی  
اُس کے سائے کو قدم کھا کے سنہرا لکھنا

صحح کی پہلی کرن اُس کے تبسم کی زکوٰۃ  
شام کو بخشش دلدار کا دریا لکھنا

اُس کے ملبوس کو رنگوں کے سمندر جیسا  
اُس کے آنچل کو سمندر کا کنارا لکھنا

زندگی مرحمت جبشِ لب کا اقرار  
اُس کی ہر سانس کو اعجازِ مسیحہ لکھنا

اُس کی باتوں کو تلاوت کی طرح ڈھرانا  
اُس کے ملنے کو بھی الہام کا لمحہ لکھنا

شب کو انگرائی سے جب اُس کا بدن ٹوٹتا ہے  
اوچ پر اپنے مقدار کا ستارا لکھنا

وہ اگر خواب میں بلقیس کی صورت اُترے  
خواب کو خواب نہیں ملک سبا کا لکھنا

دیکھ لینا کبھی اغیار کی محفل میں مگر  
دل کی باتوں پر نہ جانا، اُسے "اپنا" لکھنا

ذکر مقتل کا جو کرنا ہو تو محسن پیارے  
اپنے قاتل کو بہر طور "مسیحہ" لکھنا



اس کو بُجھنے سے بچا لے اے غمِ یاراں کی رات!  
آخری آنسو یہ کرب رایگان کی کائنات!!

ایک ہی جذبے کے پہلو کیا خوشی کیا رنجِ ذات  
ایک ہی جانب روں ہیں کیا جنازہ کیا برات

اپنی سوچیں ہڈیں  
جس طرح مسروق کائنات  
کے ساتھ کی زد میں سراہ ہوا

چاند نے موجود کی تھے میں پھر کے دیکھی رات بھر  
ایک پرچھا میں رواں بہتی ندی کے ساتھ ساتھ

آگئی کا زر نہ ہاتھ آیا نہ اجر عاشقی!  
میں نے کتنی بار توڑا ہے بدن کا سومنات

میر گپا شائر تو نیسا کو بیلی میراث میں!  
بیز بویہ قلم فرضی مرضی ٹوئی دادا

میں تو محسن بڑھ چلا تھا حد سے اُس کے شوق میں  
دل نے سمجھایا کہ لازم ہے ذرا سی احتیاط



کبھی غزل میں در آیا، کبھی فسانہ ہوا  
وہ جس سے اپنا تعارف بھی غائبانہ ہوا

عجب ہے اُس سے جدائی کے بعد کا لمحہ  
کہ جیسے ترک تعلق کو اک زمانہ ہوا

ڈعائے نیم شی ختم کو پہنچی!  
یہ اور بات کہ باب قبول وانہ ہوا

یہی بہت ہے گواہی مری رفاقت کی  
کہ میرا سایہ تری ڈھوپ سے جدا نہ ہوا

ڈھلی ہے رات چلو اپنے گھر کھلا نہ ہوا  
کہ کوت آئیں گے دروازہ گر کھلا نہ ہوا

ستم جہاں کا تغافل ترا عدو کا کرم  
ہوا ہے جو بھی مرے ساتھ منصفانہ ہوا

ملا ہے اپنی ہی پلکوں کی جھالروں سے اُدھر  
وہ حرف بن کے زبان سے بھی ادانہ ہوا

شعورِ حُسْن اُسے کب تھا اس طرحِ محَن  
مزاج اپنی غزل کا ہی عاشقانہ ہوا

مرا ہونا نہ ہونا۔۔۔۔۔!

مرا ہونا نہ ہونا مختصر ہے  
ایک نقطے پر

وہ اک ” نقطہ“

جود و حروف کو آپس میں ملا کر  
” لفظ“ کی تشکیل کرتا ہے

وہ اک نقطہ سمٹ جائے تو  
” ہونے“ کا ہر اک امکان

” نہ ہونے“ تک کا سارا فاصلہ  
پل بھر میں طے کر لے!

وہی نقطہ بھر جائے  
تو ہر اک شے

” نہ ہونے“ کے قفس کی تیلیوں کو توڑ کر رکھ دے  
” وہ اک نقطہ“ مری آنکھوں میں اکثر  
روشنی کے سات رنگوں کو اگاتا ہے!

مرے ادراک میں شبہم کی صورت  
یا ستارے کی طرح لوحِ یقین پر جگمگاتا ہے

وہی نقطہ مجھے تشکیل کے جنگل میں  
جنوب بن کے منزل کی طرف رستہ دکھاتا ہے

مجھے اکثر بتاتا ہے  
مرا ” ہونا“ ” نہ ہونے“ کا عمل بھرا

مگر میرے ”نه ہونے“ سے  
مرے ”ہونے“ کی بھی تمجیل ہوتی ہے!  
وہ اک نقطہ کہاں ہے؟  
کون ہے؟  
کس کے لبوں میں چھپ کے ہرا ثابت کو  
انکار میں تبدیل کرتا ہے  
جود و حروف کو آپس میں ملا کر لفظ کی تشکیل کرتا ہے  
یہ نکتہ بھی اسی نقطے میں مضمر ہے  
وہ اک نقطہ کہ اب تک جس کے ہونے کا میں ہوں میں،  
وہ افشا ہو۔۔۔ تو میں سمجھوں  
کہ ”ہوں“ بھی یا ”نہیں ہوں“ میں؟

## پاگل لڑکی

اک دن اک پاگل لڑکی نے  
اپنے گھر کی اوچی چھت سے  
اپنے سارے خواب اُتارے  
خواہش کے نکزوں کو جوڑا  
گیلے کپڑے  
تیز ہوا کے ہاتھ سے چھینے  
کالے حروف و الے کاغذ  
پرس میں رکھئے  
پیلسے چاند کی پھیلی چھاؤں  
اپنی پی آنکھوں اندر  
آپ سمجھئے  
رشتوں کی سنجیریں توڑ کے  
گھر سے نکلی!

شہر کی ساری روشنیوں نے  
اُس کی آنکھیں  
رنگ برلنگی دیواروں پر  
چپاں کر دیں  
جا گتی سوتی آنکھوں والی اُس لڑکی نے

مُرد کر دیکھا

گھر جانے کے سارے رستے  
اُس سے او جھل۔۔

آنکھیں بوجھل !!

اب وہ اپنے آپ کو جیسے ڈھونڈ رہی ہے  
ہر جانب انجانے سائے  
اُس سے آنکھیں مانگ رہے ہیں  
اور وہ ہر اک موڑ پر رُک کر  
اپنے آپ سے پوچھ رہی ہے  
اپنے گھر کا پہلا رستہ !!  
وہ کتنی پا گل لڑ کی تھی ۔۔۔۔۔!  
اور وہ تم ہو !!

## میرے نام سے پہلے

اُب کے اُس کی آنکھوں میں  
بے سبب اُداسی ۔۔۔۔۔ تھی!  
اُب کے اُس کے چہرے پر  
ڈکھ تھا ۔۔۔۔۔ بے حواسی تھی!

اُب کے یوں ملا ۔۔۔ مجھ سے  
یوں غزل سنی ۔۔۔۔۔ جیسے  
میں بھی ناشناساً ہوں  
وہ بھی ۔۔۔۔۔ اُجنبی جیسے

زرد خال و خد اُس کے  
سوگوار دامن ۔۔۔۔۔ تھا  
اُب کے اُس کے لجھ میں  
کتنا کھر درا پن تھا ۔۔۔۔۔!

وہ کہ عمر بھر جس نے  
شہر بھر کے لوگوں میں  
مجھ کو ہم سخن --- جانا  
دل سے آشنا --- لکھا  
خود سے مہرباں سمجھا  
مجھ کو ”دریبا“ لکھا

اب کے سادہ کاغذ پر  
سرخ روشنائی سے  
اس نے تلخ لجھے میں  
میرے نام سے پہلے!  
صرف ”بے وفا“ لکھا



دور تک پھیلا ہے صحرائے اجل  
اے شب بھراں مرے ہمراہ چل

سانس کا ریشم جھلس جانے کو ہے ---  
ڈھل کہیں اے دو پھر کی دھوپ، ڈھل!

روح کے زخمی پرندے اب نہ سوچ  
کھل گیا زندگی کا دروازہ نکل!

ٹل گئی ہر اک قیامت ٹل گئی  
ہم رہے اپنے اصولوں میں اٹل!!

دم تو لے اے درد بھر دوستاں  
ہم بھی سولیں، تو بھی اب کروٹ بدل

اور بھی کچھ شمعیں شاید جل بھیں  
اور بھی کچھ اے دل ناداں، مچل

راکھ ہو جائے نہ دل کی شعلگی  
اس قدر پڑھر نہ بن جانا، پھل

ہانپنے کو ہیں ہوا کی وحشیں  
اے چراغِ رہگذر، کچھ اور جل!!

یوں لگا وہ نیند سے جاگا ہوا  
جیسے پچھلی رات کو تازہ غزل

آنسوؤں میں اُس کے چہرے کی دمک  
پانیوں میں جس طرح کھلتا کنول

اُس کی منزل سامنے ہے جی نہ پارا!  
اے مرے دل اے مرے ساتھی سنجل

کچھ بتاتا ہی نہیں غم کا سبب  
بس یونہی گم سم ہے محسن آج کل



وستِ پشم تر بھی دیکھیں گے  
ہم تجھے بھول کر بھی دیکھیں گے

زخم پر ثبت کر نہ لب اپنے  
زخم کو چارہ گر بھی دیکھیں گے!!

بجر کی شب سے حوصلے اپنے  
چ گئے تو بحر بھی دیکھیں گے

رات ہونے دو لوگ سونے دو!  
چاند کو در بھی دیکھیں گے

اک دعا، دل سے چھپ کے مانگی تھی  
اس دعا کا اثر بھی دیکھیں گے!!

اک پُرانا سفر تو ختم ہوا  
اک نئی رہگذر بھی دیکھیں گے

گن تو لینے دو بے کفن لاشیں!  
بے صدا بام و در بھی دیکھیں گے

چھیڑ کر دل کی راکھ کو محسن  
اب کے رقص شر بھی دیکھیں گے



راحتِ دل، متاعِ جاں ہے تو  
اے غمِ دوستِ جاؤ داں ہے تو

آنسوؤں پر بھی تیرا سایا ہے  
دھوپ کے سر پہ سائبان ہے تو

دل تری دسترس میں کیوں نہ رہے  
اس زمیں پر تو آسمان ہے تو

شامِ شہرِ اُداس کے والی  
اے مرے مہرباں کہاں ہے تو؟

سایہِ ابرِ رائیگاں ہوں میں  
موجہِ بحرِ بیکرال ہے تو

میں تھی دست و گرد پیرا ہن  
لعل و لماں کی دکاں ہے تو

لمحہ بھرِ میل کے روٹھنے والے  
زندگی بھر کی داستان ہے تو

غُفر و ایماں کے فاصلوں کی قسم  
اے متاعِ یقین، گُماں ہے تو

تیرا اقرار ہے --- نفی میری  
میرے اثبات کا جہاں ہے تو

اے مرے لفظ لفظ کا مفہوم!  
نطق بے حرف و بے زبان ہے تو

جو مقدر سنوار دیتے ہیں!  
آن ستاروں کی کہکشاں ہے تو

بے نشاں بے نشاں خیام مرے  
کاروں کاروں - روایاں ہے تو

اے گریپٹاں نہ ہو سپرد ہوا  
دل کی گنگتی کا بادباں ہے تو

جلتے رہنا چراغ آخِر شب  
اپنے محسن کا رازداں ہے تو

اب تو یوں دیدہ تر کھلتا ہے  
جیسے زندگی کا در کھلتا ہے

کس نے پایا ہے دینے کا سراغ؟  
کب کوئی اہل ہنر کھلتا ہے

خاک اورانے کو چلی آئی ۔۔۔ ہوا!  
اپنا سامان سفر کھلتا ہے

کھل گیا اُس کی محبت کا بھرم  
جیسے چوفاں میں بھنور کھلتا ہے

قفسِ جاں سے بصد ناز نکل  
کیوں سمیئے ہوئے پر کھلتا ہے

کچھ خبر دل کی بھی ارباب جوں!  
مدتوں بعد یہ گھر کھلتا ہے

بندشیں پوچھ نہ ہم پر اُس کی  
لمحہ بھر کو بھی اگر کھلتا ہے

دل کو دے گا وہ رفاقت کی تپش  
راکھ سے جیسے شر کھلتا ہے

پھول سے موج صبا کہتی تھی  
جاگ، بازارِ سحر کھلتا ہے

تحامِ کشکولِ دعا کو محسن  
دامنِ حرفِ اثر کھلتا ہے



منصب بقدر قامت کردار چاہیے  
کئتے ہوئے سروں کو بھی دستار چاہیے

اک نن بے کفن کو ضرورت ہے آن گر  
اک شام بے رزا کو عزادار چاہیے

سازج نے سر پہ ننان لیا شب کا سماں  
اب دھوپ کو بھی سایہ ریا چاہیے

ہیرے نہ ہوں تو آنکب سجا لو دکان میں  
سودا کروں کو کرمی باہم چاہیے!

ایسا نہ ہو کہ برف ضمیروں کو چاٹ لے  
نخ بنتگی کو شعلہ پندار چاہیے

اذن سفر ملا ہے تو حد نظر غلط!  
پرواز آسمان کے بھی اُس پار چاہیے

خوبی کی جھانجھریں ہیں ہواؤں کے پاؤں میں  
شاید سکوت دشت کو جھنکار چاہیے

ہے مدعا کی فکر نہ مجرم سے واسطہ  
منصف کو صرف اپنا طرفدار چاہیے

شورش لہو کی ہو کہ ہو محسن اذان شوق  
غوغاء کوئی تو آج سردار چاہیے

## تحک جاؤ گی

پاگل آنکھوں والی لڑکی!  
اتنے مہنگے خواب نہ دیکھو۔۔۔  
تحک جاؤ گی!!  
کانچ سے نازک خواب تمہارے  
ٹوٹ گئے تو  
پچھتاوا گی!!

سوج کا سارا اجلاندن  
ضبط کی راکھ میں کھل جائے گا  
کچے پکے رشتؤں کی خوشبو کاریشم  
کھل جائے گا۔۔۔!

تم کیا جانو؟  
خواب، سفر کی دھوپ کے تیشے  
خواب، ادھوری رات کا دوزخ  
خواب، خیالوں کا پچھتاوا  
خوابوں کی منزل رسوائی!  
خوابوں کا حاصل تہائی!!  
تم کیا جانو؟  
مہنگے خواب خریدنا ہوں تو  
آنکھیں بیچنا پڑتی ہیں۔۔۔ یا  
روشنے بھولنا پڑتے ہیں

اندیشوں کی ریت نہ پانکو  
پیاس کی اوٹ سراپ نہ دیکھو  
اتنے مہنگے خواب نہ دیکھو۔۔۔!!  
تحک جاؤ گی!!

اجنبی، دیکھنا یہ وہی شہر ہے  
یہ مرا شہر صحراء صفت، دشتِ خو  
جس کے رستوں کی میئی، مری آبرو  
جس کی گلیاں، لکیریں مرے بخت کی  
جس کے ذرے مہ دہر سے قیمتی!

یہ وہی شہر ہے --- اجنبی دیکھنا!  
جس کی چاہت کی تعزیر میں عمر بھر  
میری آوارگی کے فانے بے بنے!  
جس کی خاطر مرے ہم سخن، ہمسفر  
بے سبب تہتوں کے نشانے بنے!  
جس کی بخشش کی تاثیر کے ذاتے  
میری تسلیم کو تازیانے جنپیں  
میری دیوانگی نے تراشا جنپیں  
وہ سیہ پوش لمحے زمانے بنے!

اجنبی، دیکھنا یہ وہی شہر ہے  
جس کی جلتی ہوئی دوپہر میں سدا  
خواب بنتی رہی نوجوانی مری!  
جس کے ہر موڑ پر راکھ کے ڈھیر میں  
دن ہوتی رہی ہر کہانی مری

جس کی پڑھوں راتوں کی محرب میں  
میری غزلوں کے خورشید جلتے رہے  
جس کی ناخ بستے صحبوں کے اصرار پر  
میرے آنسو شراروں میں ڈھلتے رہے

یہ وہی شہر ہے جس کے بازار میں  
بارہا میرا پندار بیچا ---  
موسمِ قحط کو نالنے کے لیے!  
میرے دامن کا ہر تار بیچا گیا

اجنبی دیکھنا ---- دیکھنا اجنبی!  
اپنے صحراء صفت شہر میں آج پھر  
میں دریدہ بدن میں بُردہ قبا

در بدر خواہشون کی کئی انگلیاں  
ریزہ ریزہ مہ و سال کے ذاتے  
ہانپتے کانپتے دل کی شوریدگی  
عمر بھر کی سلکتی کمائی ہوئی شہر تیں  
لحہ لمحہ زندگی ہوئی زندگی  
ناچتی تھتوں کی کھلی وحشتیں  
لب پہ مجروح لفظوں کی چھپتی تھکن  
تن پہ یاقت زخموں کے تمغے لیے  
سر جھکائے ہوئے راکھ کے ڈھیر پر  
سوچتا ہوں کہ ہاں یہ وہی شہر ہے  
جس سے منسوب ہے میرا نام و نب  
میرا فن، میری تخلیق، میرا ادب  
شورشِ چشمِ نم --- نوحہ زیرِ لب  
سب اسی شہرِ صحراء صفت کے لیے

میں مگر آج اس شہر کی بھیڑ میں  
صورتِ موچ صحراء اکیلا بہت!  
میرے چہرے پ کوئی گواہی نہیں  
کچھ بھی حاصل ہرا جزو تباہی نہیں

یوں بھی ہے کل جہاں میں تھا مند نشیں  
اُس جگہ خیمہ زن اب نئے لوگ ہیں  
خود سے آباد کر قریب شہر مجھے  
کوئی پہچانتا ہی نہیں اب مجھے!!

دل میں چھپتی ہوئی درد کی لہر ہے  
میرے چ کا صلہ ساغر زہر ہے  
سانس لینا یہاں جبر ہے قبر ہے  
اجنبی، دیکھنا یہ وہی شہر ہے  
یہ وہی شہر ہے---!



جتنو میں تری پھرتا ہوں نجنانے کب سے؟  
آبلہ پا ہیں مرے ساتھ زمانے - کب سے!

میں کہ قسمت کی لکیریں بھی پڑھا کرتا تھا  
کوئی آیا ہی نہیں ہاتھ دکھانے کب سے

نعتیں ہیں نہ عذابوں کا تسلسل اب تو!  
مجھ سے رُخ پھیر لیا میرے خدالے کب سے

جان چھڑکتے تھے کبھی خود سے غزال جن پر  
بھول بیٹھے ہیں شکاری وہ نشانے کب سے

وہ تو جنگل سے ہواں کو پُرا لاتا تھا  
اس نے سیکھے ہیں دیے گھر میں جلانے کب سے؟

شہر میں پرورشِ رسم جنوں کون کرے؟  
یوں بھی جنگل میں ہیں یاروں کے ٹھکانے کب سے؟

آنکھ روئے کو ترسی ہے تو دل زخمیں کو  
کوئی آیا نہیں احسان جتانے کب سے

جن کے صدقے میں باکرتے تھے اُجڑے ہوئے لوگ  
لُک گئے ہیں سر صحرا وہ گھرانے کب سے

لوگ بے خوف گریباں کو گھلا رکھتے ہیں  
تیر چھوڑا ہی نہیں دستِ قضا نے کب سے

جانے کب ٹوٹ کے برے گی ملامت کی گھٹا؟  
سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں دوانے کب سے

جن کو آتا تھا کبھی حشر جگانا محسن  
بختِ خفتہ کو نہ آئے وہ جگانے کب سے!



ہوا چلی بھی تو خود سے ڈرا دیا ہے مجھے  
چراغ شام سفر نے بُجھا دیا ہے مجھے

مرے بدن میں پڑی جب بھی زلزلے کی دراز  
مرے کماں نے بہت آسرا دیا ہے مجھے

میں دھوپ دھوپ مسافت میں جس کے ساتھ رہا  
ڈرا سی چھاؤں میں اُس نے بھلا دیا ہے مجھے

نئے دنوں کے لیے نیند نوچنا ۔۔ کیسا؟  
گئے دنوں کی رفاقت نے کیا دیا ہے مجھے؟

وہ تیری یاد کہ انگلی پکڑ کے چلتی تھی  
اُسی نے راہ میں آخر گنو دیا ہے مجھے

بُجھا تھا زہر میں ہر تار پیرہن اپنا  
مری قبانے دریدہ بدن کیا دیا ہے مجھے

حصارِ دیدہ تر میں سمٹ گئے منظر  
تھکاؤں نے عجب حوصلہ دیا دیا ہے مجھے

پُجزتے جاتے ہیں سب خواب اپنی پلکوں سے  
یہ کس نے جاگتے رہنا سُکھا دیا ہے مجھے

میں روشنی کی علامت نہ فصل گل کا سفیر

سحر کی شاخ پہ کس نے سجا دیا ہے مجھے

مرے دیار پرستش میں آسمان تھا وہ شخص  
اُسی نے اپنی نظر سے گرا دیا دیا ہے مجھے

اجڑ دن تھا وہ محسن نہ ذکر شام فراق  
بُنسی خوش بُونی اُس نے رلا دیا دیا ہے مجھے



تم نہیں، بچپن کی ضد میں، تم سی کتنی لڑکیاں  
اُب پرائے دامنوں پر کاڑھتی ہیں تبتلیاں

دل میں تنهائی کا سناٹا عذاب خشر ہے  
رات بھر بجتی ہیں میرے گھر کی ساری کھڑکیاں

میں شکستہ آئینوں کے شہر میں پھرتا رہا  
ہاتھ میں تیرا پتہ پاؤں میں چھبٹی کر چیاں

اُس کی جرأت چھانک لی تھی جُجوئے رزق نے  
سمبھا گیا وہ آتے جاتے گاہوں کی جھڑکیاں

ڈوبنے والوں کی آوازیں خلا میں کھو گئیں  
لوگ چلتے ہی رہے ساحل سے تازہ سپیاں

بھر کے سارے فنانے سب بہانے سچ مگر  
کچھ مسائل اور بھی تھے اُس کے میرے درمیاں

روشنی مانگی تھی، سنتے ہیں، بزرگوں نے کبھی  
ڈھونڈتی ہیں بستیوں کو اب بھی اندھی بجلیاں

اُب لئے لاشوں جلے خیموں کا پر سہ کس کو دیں؟

رہ گئیں صرا میں بچوں کی ادھوری ہچکیاں

ہم گریبانوں سے جائیں گے تو کیا، محسن مرے  
دوستوں کے ہاتھ تو رہ جائیں گی کچھ دھجیاں



کاش ہم کھل کے زندگی کرتے!  
عمر گزری ہے خودکشی کرتے!!

بجلیاں اس طرف نہیں آئیں  
ورنہ ہم گھر میں روشنی کرتے

کون دشمن تری طرح کا تھا?  
اور ہم کس سے دوستی کرتے؟

بجھ گئے کتنے چاند سے چہرے  
دل کے صرا میں چاندنی کرتے

عشق اجرت طلب نہ تھا ورنہ  
ہم ترے در پ نوکری کرتے

اس تمنا میں ہو گئے رسوا  
ہم بھی جی بھر کے عاشقی کرتے

خُسن اُس کا نہ کھل سکا محسن  
تحک گئے لوگ شاعری کرتے



ستم کو مصلحت، حسن تفافل کو ادا کہنا  
اُسے اب اور کیا لکھنا، اُسے اب اور کیا کہنا؟

یہ رسمِ شہرِ ناپڑ ساں، ہمارے دم سے قائم ہے  
کہ ہر اک اجنبی کو مسکرا کر آشنا کہنا

جلوسِ ڈلفگاراں میں نہ کرنا بات تک لیکن  
بچومِ گل عذاراں میں اُسے سب سے جدا کہنا

سفر میں یوں خمارِ تشغی آنکھوں میں بھر لینا  
چمکتی ریت کو دریا، بگولے کو گھنا کہنا

ہزاروں حادثے تجھ پر قیامت بن کے ٹوٹے ہیں  
تو اس پر بھی سلامت ہے، دل خوش فہم کیا کہنا!

دل بے مددعا کو بے طلب جینے کی عادت ہے  
مجھے اپھا نہیں لگتا دعا کو اتنا کہنا!

مرے محسن یہ آداب مسافت سیکھنا ہوں گے  
بھٹکتے جگنوؤں کو بھی سفر کا آسرا کہنا

سُن لیا ہم نے ۰۰۰۰۰!

سُن لیا ہم نے فیصلہ --- تیرا  
اور سُن کر اداس ہو بیٹھے  
ذہن چپ چاپ آنکھ خالی ہے  
جیسے ہم کائنات کھو بیٹھے

ڈھنڈلے ڈھنڈلے سے منظروں میں مگر  
چھیڑتی ہیں تجھیاں --- تیری  
بھولی بسری ہوئی رُتوں سے ادھر  
یاد آئیں --- تسلیاں --- تیری!

دل یہ کہتا ہے --- ضبط لازم ہے  
بھر کے دن کی ڈھوپ ڈھلنے تک  
اعتراف شکست کیا کرنا ----!  
فضلے کی گھڑی بدلنے تک

دل یہ کہتا ہے --- حوصلہ رکھنا  
سُنگ، رستے سے ہٹ بھی سکتے ہیں  
اس سے پہلے کہ آنکھ بُجھ جائے!  
جائے والے پلٹ بھی سکتے ہیں!

اب چراغاں کریں ہم اشکوں سے  
مناظر بُجھے بُجھے --- دیکھیں؟  
اک طرف تو ہے اک طرف دل ہے  
دل کی مانیں -- کہ اب بُجھے دیکھیں؟

خود سے بھی کشمکش سی جاری ہے  
راہ میں تیرا غم بھی --- حائل ہے  
چاک در چاک ہے قبائے حواس!  
بے رو سوچ، روح گھائل ہے

بُجھ کو پایا تو چاک سی لیں گے  
غم بھی امرت سمجھ کے پی لیں گے!  
ورنہ یؤں ہے کہ دامنِ دل میں!  
چند سانیں ہیں، گن کے جی لیں گے!



اتنا خالی تو گھر نہیں، ہم ہیں!  
 ہم نہیں ہیں مگر نہیں، ہم ہیں!!  
  
 پشم دشمن کے خوف سے پوچھو  
 نوک نیزہ پر سر نہیں، ہم ہیں  
  
 شام تہائی غم نہ کر کہ ترا  
 کوئی بھی ہمفر نہیں، ہم ہیں  
  
 چاند سے کہہ دو بے دھڑک اُترے  
 گھر میں دیوار و در نہیں، ہم ہیں  
  
 وہ جو سب سے ہیں بے خبر تم ہو  
 جن کو اپنی خبر نہیں، ہم ہیں  
  
 کیوں جلاتے ہو جھونپڑی اپنی؟  
 اس میں لعل و گھر نہیں، ہم ہیں  
  
 ہم ہیں ہم زاد رات کے محسن  
 جن کی قمت سحر نہیں، ہم ہیں



دشت بجراں میں نہ سایا نہ صدا تیرے بعد  
 کتنے تھا ہیں ترے آبلہ پا - تیرے بعد

کوئی پیغام نہ دلدار نوا تیرے بعد  
خاک اڑاتی ہوئی گزری ہے صبا تیرے بعد

لب پ اک حرف طلب تھا نہ رہا تیرے بعد  
دل میں تاثیر کی خواہش نہ دعا تیرے بعد

عکس و آئینہ میں اب ربط ہو کیا تیرے بعد  
ہم تو پھرتے ہیں خود اپنے سے خفا تیرے بعد

ڈھوپ عارض کی نہ زلفوں کی گھٹا تیرے بعد  
بھر نی رُت ہے کہ جُس کی فضا تیرے بعد

لیے پھرتی ہے سر گوئے بھا تیرے بعد  
پرچم تارِ گریاں کو ہوا تیرے بعد

پیر، ہن اپنا سلامت نہ قبا تیرے بعد  
بس وہی ہم وہی صحراء کی ردا تیرے بعد

نکھلت و نئے ہے تھے دستِ قضا تیرے بعد  
شارخ جاں پ کوئی غنچہ نہ کھلا تیرے بعد

دل نہ مہتاب سے الجھا نہ جلا تیرے بعد  
ایک جگنو تھا کہ چپ چاپ بجھا تیرے بعد

کون رُگوں کے بھنور کیسی حنا تیرے بعد؟  
اپنا خوں اپنی ہتھیلی پ سُجا تیرے بعد

درد سینے میں ہؤا ٹوہہ سرا تیرے بعد  
دل کی دھڑکن ہے کہ ماتم کی صدا تیرے بعد

ایک ہم ہیں کہ ہیں بے برگ و نوا تیرے بعد  
ورنه آباد ہے سب خلقِ خدا تیرے بعد

ایک قیامت کی خراشیں ترے چہرے پ سمجھیں  
ایک محشر مرے اندر سے اٹھا تیرے بعد

تجھ سے بچھڑا ہوں تو مر جھا کے ہوا بُرد ہوا  
کون دیتا مجھے کھلنے کی دعا تیرے بعد؟

اے فلک ناز، مری خاک نشانی تیری  
میں نے مئی پہ ترا نام لکھا تیرے بعد

تو کہ سما تو رگِ جاں کی حدود میں سما  
میں کہ بکھرا تو سمیٹا نہ گیا تیرے بعد

ملنے والے کئی مفہوم پہن کر آئے ...!  
کوئی چہرہ بھی نہ آنکھوں نے پڑھا تیرے بعد

بجھتے جاتے ہیں خدوخال، مناظر، آفاق!  
پھیلتا جاتا ہے خواہش کا خلا تیرے بعد

یہ الگ بات کہ افشا نہ ہوا تو ورنہ  
میں نے کتنا تجھے محسوس کیا تیرے بعد

میری دُختی ہوئی آنکھوں سے گواہی لینا  
میں نے سوچا تجھے اپنے سے سوا تیرے بعد

سے لیا دل نے ترے بعد ملامت کا عذاب  
ورنہ چھپتی ہے رگِ جاں میں ہوا تیرے بعد

جانِ محسن مرا حاصل یہی مُہم سطیر!  
شعر کہنے کا ہُنر بھول گیا تیرے بعد



بھولے برے ہوئے بام ودر کے لیے خواب کیا دیکھنا?  
بے کراس دشت میں اپنے گھر کے لیے خواب کیا دیکھنا?

چل پڑے ہو تو اب آنکھ پر ٹوٹے آبلے باندھ لو  
راہ میں ختم شامِ سفر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

جس کے بعد اپنی راتوں کی ہریالیاں بانجھ بخیر بنیں  
ایسی کم یا ب تہا سحر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

ضبط کا زہر تھا، ہنس کے پینا پڑا، پی چکئے جی چکئے!  
چند لمحوں کو اب چارہ گر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

رات پھر دل میں چھٹا ہو ایک پل کہہ گیا آنکھ سے  
رائیگاں آس پر عمر بھر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

جن کو محسن قفس میں دیکھتی ہوئی زندگی راس ہے  
اُن پرندوں کو اب بال و پر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟



نفس کو درد سے حاصل فراغ ہونا تھا  
اُبतی نے تھی، شکستہ ایاغ ہونا تھا

جہاں جہاں سے گزرنा تھا تیری خوشبو کو  
روش روشن کو ہوا باغ باغ ہونا تھا

ملے تھے شامِ سفر میں تو پھر بوقتِ فراق  
تجھے ہوا مجھے آخر چراغ ہونا تھا

وہاں تو رسم تھی خخبر کو صاف رکھنے کی  
مری قبا کو وہاں داغ داغ ہونا تھا

وہ اشک شامِ غریاب میں بجھ گیا جس کو  
خطِ مسافتِ شب کا سُراغ ہونا تھا

تمہاری سوچ بھی آخر بہک گئی محسن  
تھیں تو شہر میں روشن دماغ ہونا تھا



شام ہی شام پیش و پس اور ہوا کا سامنا  
ایک چراغِ کم نفس --- اور ہوا کا سامنا

وقت ملے تو پوچھنا دل زدگانِ شوق سے  
موسم گوشہ نفس اور ہوا کا سامنا

دارہ حواس میں ایک قبا کی سلوٹیں  
دل پہ جنوں کی دسترس --- اور ہوا کا سامنا

پچھلے برس تو بچ گئے --- اور ہوا تھی سامنے  
کرنا پڑے گا اس برس --- اور ہوا کا سامنا

ہمسفرو ڈعا کرو کاش ہمیں نصیب ہو  
رات کی رانیوں کا رس اور ہوا کا سامنا

آنکھ میں نقطہ آب سے دیکھے دیے بُجھے ہوئے  
دل نے کہا کہ یار بس؟ اور ہوا کا سامنا

ابھی نہ رُکنا---!

کہ تم نے اپنے قلم سے  
پھر کی مورتوں کے بدن کی  
شکنیں درست کی ہیں!

کہ تم نے پلکوں سے  
ریزہ ریزہ بکھرتی نیندوں  
کو چُن کے لفظوں میں گھونے کا  
ہنر تراشا

کہ تم نے مدفن روز و شب کے  
کواڑ کھولے اور ان کے پیچھے  
بُجھے چراغوں کی سر بریدہ لوؤں کو  
اپنے لہو سے روشن کیا تو  
ذراؤں کی آج پر پھر حٹ چھرے  
پکھل گئی آواز بن گئے ہیں !!

میں معرف ہوں کہ  
تم نے ننگی گلی کے بے خواب پھریداروں کی  
آستینیں میں چھپی ہوئی، زہر سے بھری سازشوں کو  
باہر نکال کر  
بے خبر ہواؤں کو تازہ خبروں کا نور بخشنا۔۔۔!

میں معرف ہوں،  
تمہاری آنکھوں میں بولتے چج کا معرف ہوں  
میں معرف ہوں  
تمہارے پاؤں میں جا گئے آبلوں کی حدیث کا معرف ہوں  
مگر مری جاں!

ابھی قلم کو نہ تھکنے دینا  
کہ زندگی کے بہت سے زخموں کو  
(”حرف مرہم“ کی جستجو ہے)

ابھی نہ رکنا  
کہ ہر مسافت تمہارے اپنے ہنر کا زیور ہے  
آبرو ہے!

ابھی بگلوں میں گھر کے بے دست و پانہ ہونا  
کہ چج کے اس بے کنار صحرائیں  
تم اسکی نہیں ہو  
میں بھی تمہارے ہمراہ چل رہا ہوں!



حال مت پوچھ عشق کرے کا!  
عمر جینے کی شوق مرنے کا!!

وہ محبت کی احتیاط کے دن!  
ہائے موسم وہ خود سے ڈرنے کا

اب اُسے آئینے سے نفرت ہے!  
کل جسے شوق تھا سنورنے کا

خودکشی کو بھی رایگاں نہ سمجھ  
کام یہ بھی ہے کر گذرنے کا

عمر بھر کے عذاب سے مشکل!  
ایک لمحہ سوال کرنے کا!!

خون رونا بھی اک بُنر ٹھہرا،  
بانجھ موسم میں رنگ بھرنے کا

ٹوٹتے دل کو شوق سے محنت  
صورت برگ گل بکھرنے کا!!



رات بھی ہے سفر بھی، جگنو بھی  
دو قدم چل پڑے اگر تو بھی!!

کچھ تو تاریک تھی فراق کی رات  
اور کچھ کھل گئے وہ گیسو بھی!

قفلِ موجِ رواں مگر نہ ٹھلا  
پیاس بیٹھی رہی اب ہو بھی

ایک ہی پل میں مجھ سے بچھڑے ہیں  
موسمِ گل بھی تیری خوشبو بھی!!

اس پر کیسی غزل کہیں؟ کہ وہ شخص  
سنگدل بھی ہے آئینہ رو بھی

اول اول وہ رُوٹھ کر جو ملا  
آنکھ میں بولتے تھے آنسو بھی

شب کا دریا نہ طے ہوا محسن  
شل ہوئے اپنے دست و بازو بھی



دل نے تنہا جھیلی رات  
ہجر کی رات، اکیلی رات

دن والے کب بوجھ سکے؟  
مشکل شام پیلی رات

ایک سفر کی تشریحیں!  
چاند، چکور، چنبیلی، رات!!

دن اپنے ہر درد کا دوست  
اس کی ایک سیلی رات

اک سنستان نگر ہر سانس  
اک ویران حوالی رات

اس کا روپ تھا ”بڑا“ کی دھوپ  
میری سرد بھیلی رات

اس کی آنکھ سے چھلکی شام  
اس کی زلف سے کھلی رات

محسن کے انجام کے نام  
بھر کی نئی نویلی رات

## عہد نامہ

غلط کہا ہے کسی نے تم سے  
کہ جنگ ہو گی!

زمیں کے سینے پے بے تحاشہ لہو بہے گا  
لہو بہے گا۔۔۔ بصورتِ آبجو بہے گا  
لہو جو میزانِ آرزو ہے  
لہو جو باہیل وابن مریم کی آبرو ہے  
لہو جو ابن علی کے سایہِ چشم وابر میں سُرخ رو ہے  
مجاور ان شبِ ہلاکت کی سازشوں کے مقابلے میں  
جور و شنی ہے، تپش، تممازت، طلب، نمو ہے

لہو امانت ہے آگی کی  
لہو ضمانت ہے زندگی کی

لہو بہے گا تو مسکراتی ہوئی زمیں پر  
نہ پھول مہکیں گے چاہتوں کے

نہ قص خوشبو نہ موسموں کی تمیز کوئی  
نہ زندگی کا نشاں رہے گا

(فقط اجل کا دھواں رہے گا)

غلط کہا ہے کسی نے تم سے  
کہ جنگ ہو گی!

سمندروں سے اٹھیں گے شعلے  
زمیں کے سینے پر موت ناچے گی  
کھیت کھلیاں را کھو جائیں گے جھلس کر  
فضا میں بارود پھانک لے گا  
----- بشر کی سانسیں !  
یہ ہنتے بستے گھروں کے آنگن  
----- بنیں گے مدفن !!  
ہزار ہابے گناہ ماوں کی چھاتیوں سے  
لپٹ کے سوئے، گلی محلوں میں کھیلتے  
بے نیاز بچوں کے -----  
جن کی آنکھوں میں کوئی سازش نہ جرم کوئی

تمھیں خبر ہے کہ جنگ ہو گی تو اس کے شعلے  
زمیں کی ہر یالیاں ----- نگنے کے بعد میں بھی  
----- نہ سرد ہوں گے  
تمھیں خبر ہے کہ جنگ ہو گی  
تو آنے والے کئی برس  
بانجھ موسموں کی طرح کٹیں گے  
تمام آباد شہر۔ سُنسان وادیوں کی طرح ہیں گے  
قضا کے آسیب اپنے جبڑوں میں پیس دیں گے  
تمام لاشیں، تمام ڈھانچے، تمام پنجر  
نہ فاختا کمیں رہیں گی باقی  
نہ شاہرا ہوں پر ہوشی کا جلوس ہو گا  
لہو کے رشتے، نہ عکسِ تہذیب آدمیت  
نہ ارتباٹِ خلوص ہو گا -----  
تمھیں خبر ہے کہ جنگ ہو گی تو اس کے شعلے  
تمام جذبوں کو چاٹ لیں گے  
نہ زندگی کا نشاں رہے گا  
فقط اجل کا دھواں رہے گا

تمھیں خبر ہے تو بے خبر بن کے سوچتے کیا ہو؟  
دیکھتے کیا ہو؟

آؤ اپنے لہو سے لکھیں وہ عہد نامہ  
جو عزمِ خریب رکھنے والوں کے عہد ناموں سے معتبر ہو  
وہ عہد نامہ کی جس کے لفظوں میں

مُسْكَرَاتِ حَسِينٍ بَچُوكِي دَلْكَشِي هُو  
خَيْفِ مَاوَيْ كِي سَادَگِي هُو  
ضَعِيفِ مَحْنَتِ كَشُونَ كَهْ تَهُونَ سَه  
اَهْلَهَا تَهْ جَوَانَ كَھِيَتُونَ كَي زَندَگِي هُو  
اَنْھُوكَهْ لَكَھِيَسْ وَهْ عَبَدَنَامَهْ  
جَوَامِنَ كَي فَاخْتَهَ كَنْغَمُونَ سَهْ گُونْجَتَا هُو  
لَكَھُوكَهْ  
خَوْشَبُوَيْ اَمِنَ بَارُودَكِي ہَلَاكَتَ سَهْ مَعْتَبرَهْ  
لَكَھُوكَهْ بَهْتَيَ ہَوَيَ سَحَرَ، شَبَ کَي تَيَرَگِي سَهْ عَظِيمَ تَرَهْ  
لَكَھُوكَهْ دَھَرَتِي اَجاَزَنَ وَالَّهُ مَجْرِمُونَ کَا حَسَابَ ہَوَگَا  
لَكَھُوكَهْ بَارُودَکَا دُھُواں خَوْدَ بَشَرَ پَهْ اَپَنَا عَذَابَ ہَوَگَا۔۔۔  
”تَمَ اَپَنِي خَواهِشَ کَي بَھَثَيُونَ مَيْسَ جَلَاؤ خَوْدَ کَو  
مَگَرْ ہَمِيَنَ اَمِنَ کَي خَنَکَ چَحَاؤنَ مَيْسَ  
دُعاَوَيْ مَيْسَ سَانَسَ لَيْنَهَ دَو۔۔۔ زَندَگِي بَھَرَ  
کَهْ جَنَگَ ہَوَگِي تَوْ دَيْکَيْ لَيْنَا  
کَهْ زَندَگِي کَي سَحَرَنَه ہَوَگِي  
کَسِي کَوَاپِنِي خَبَرَنَه ہَوَگِي!



نئی طرح سے نبھانے کی دل نے ٹھانی ہے  
و گرنہ اُس سے محبت بہت پرانی ہے

خدا وہ دن نہ دکھائے کہ میں کسی سے سُنُوں  
کہ تو نے بھی غمِ دنیا سے ہار مانی ہے

زمیں پر رہ کے ستارے شکار کرتے ہیں  
مزاجِ اہلِ محبت کا آسمانی ہے.....!!

ہمیں عزیز ہو کیونکر نہ شامِ غم کہ یہی  
پچڑنے والے تیری آخری نشانی ہے

اُتر پڑے ہو تو دریا سے پوچھنا کیسا؟  
کہ ساحلوں سے اُدھر کتنا تیز پانی ہے

بہت دنوں میں تیری یاد اوڑھ کر اُتری  
یہ شام کتنی شہری ہے کیا سہانی ہے!

میں کتنی دیر اُسے سوچتا رہوں محسن  
کہ جیسے اُس کا بدن بھی کوئی کہانی ہے



کبھی جو چھیڑ گئی یاد رفتگاں محسن  
بکھر گئی ہیں نگاہیں کہاں کہاں محسن

ہوا نے راکھ اڑائی تو دل کو یاد آیا  
کہ جل بجھیں مرے خوابوں کی بستیاں محسن

کچھ ایسے گھر بھی ملے جن میں گھونکھوں کے عوض  
ہوئی ہیں دفن دوپتوں میں اڑکیاں محسن

کھنڈر ہے عہد گذشتہ نہ چھو نہ چھیڑ ایسے  
کھلیں تو بند نہ ہوں اس کی کھڑکیاں محسن

بُجھا ہے کون ستارہ کہ اپنی آنکھ کے ساتھ  
ہوئے ہیں سارے مناظر دھواں دھواں محسن

نبیس کہ اُس نے گنوائے ہیں ماہ و سال اپنے  
تمام عمر کئی یوں بھی رایگاں محسن

ملا تو اور بھی تقسیم کر گیا مجھ کو  
سمینا تھیں جسے میری کرچیاں محسن

کہیں سے اُس نے بھی توڑا ہے خود سے ربط وفا  
کہیں سے بھول گیا میں بھی داستانِ محسن



دل تری رہگز میں کھو بیٹھے  
اک ستارہ سفر میں کھو بیٹھے

شوق پرواز و ججھوئے سفر  
خواہش بال و پر میں کھو بیٹھے

حسن حرف دعا فقیر ترے  
مفت چارہ گر میں کھو بیٹھے

ہم بھی کیا چاند سے حسین چھرے  
گرد شام و سحر میں کھو بیٹھے

بادباں جب ہوا کے ہاتھ لگا  
کشیاں ہم بھور میں کھو بیٹھے

گھر بننے کی آرزو ہم لوگ  
حضرتِ بام و در میں کھو بیٹھے

بولتے شہر منتهی یاروں کے!  
دل کے اندر کھنڈر میں کھو بیٹھے

یادِ اک دل میں گم ہوئی محسن  
غلسِ اک پشم تر میں کھو بیٹھے

## کیسا عالم تھا وہ جذبوں کے رفو کا عالم

کیسا عالم تھا وہ جذبوں کے رفو کا عالم  
ریزہ ریزہ مری سوچیں، وہ غزل جیسی تھی  
کیسا موسم تھا وہ سانسوں کی نمو کا موسم  
چیل جیسی مری چاہت وہ کنوں جیسی تھی

رات آنگن میں اترتی تھی مگر یوں جیسے  
اُس کی آنکھوں میں دمکتا ہوا کاجل پھیلے  
صح خوابوں میں نکھرتی تھی مہک کر جیسے  
اُس کے سینے سے پھلتا ہوا آنچل پھیلے

دل دھڑکتا تھا کہ جیسے کسی پگڈندی پر  
اُس کی پازیپ سے ٹوٹا ہوا گھنگھرو بولے  
چونک اٹھتی تھی سماعت کہ سفر میں جیسے  
اُس کے سائے کی زبان میں کوئی جگنو بولے

اُس کی زلفیں مری تسلیں کے بھنور بنتی تھیں  
جیسے کھلتے ہوئے ریشم سے ہوا چھوٹ جائے  
اُس کی پلکیں مرے اشکوں کے گھبر چنتی تھیں  
باب تاثیر سے جس طرح دعا چھوٹ جائے

اُس کی آواز جگاتی تھی مقدار میرا  
جیسے معبد میں سوپے کا گجر بجتا ہے  
جیسے برسات کی رم جھم سے دھنک ٹوٹی ہے  
یا رحیل سر آغاز سفر بجتا ہے!  
اُس کے چہرے کی تمازت سے پکھلتے تھے حروف  
جیسے گھسار پر کرنوں کے قبیلے اُتریں!  
جیسے کھل جائے خیالوں میں حنا کا موسم  
جیسے خوشبو کی طرح رنگ نشیلے اُتریں

اُس کے قامت پہ جو سوچا تو سر شامِ وصال  
دوشِ افکار پہ جذبوں کا سفر یاد آیا

وہ کہ مہتاب کی صورت تھی نگاہوں سے بلند  
میں سمندر تھا مجھے مذو جزر یاد آیا

ناز نکھلت کی اکائی تھی مگر محفل میں  
اپنے ملبوس کے رنگوں میں وہ بٹ جاتی تھی  
بیوں تو قسمت کا ستارہ تھی مگر آخر شب  
میرے ہاتھوں کی لکیروں میں سمٹ جاتی تھی

اُس سے بچھرا ہوں تو آنکھوں کا مقدر بھیرا  
دل کے پاتال میں تخت بستے لہو کا عالم  
اپنی تہائی کی پر چھائیں میں لپٹا ہوا جسم  
جیسے ٹوٹے ہوئے شیشوں میں سیو کا عالم  
اپنے سائے کی رفاقت پر بھی کانپ اٹھتا ہوں  
شہر کے شہر پر چھایا ہے وہ ہو کا عالم  
کیا عالم تھا وہ جذبوں کے روپ کا عالم؟



درو سے بے نیاز ہونے دے  
اے شب بھر کچھ تو سونے دے!

رخصت اے جس سامِ ضبط جوں  
رونے والوں کو گھل کے روئے دے

آج اک سرخرو سے ملنا ہے!  
آج آنکھیں لہو سے دھونے دے

کاش کوئی ہمیں بھی اشک اپنے  
سانس کے تار میں پروئے دے

فصل تخت بستگی میں جینا ہے  
پانیوں میں شرار بونے دے

کچھ تو سوچ اپنے حال پر محسن  
خود کو یوں رائیگاں نہ ہونے دے



وہ لڑکی بھی ایک عجیب پیلی تھی  
پیاسے ہونٹ تھے آنکھ سمندر جیسی تھی

سورج اُس کو دیکھ کے پیلا پڑتا تھا  
وہ سرما کی دھوپ میں داخل کر ٹکلی تھی

اُس کو اپنے سائے سے ڈر لگتا تھا  
سوچ کے صحراء میں وہ تنہا ہرنی تھی

آتے جاتے موسم اُس کو ڈستے تھے  
ہنتے ہنتے پلکوں سے رو پڑتی تھی

آدھی رات گنا دیتی تھی چپ رہ کر  
آدھی رات کے چاند سے باتیں کرتی تھی

دُور سے اجزے مندر جیسا گھر اُس کا  
وہ اپنے گھر میں اکلوتی دیوی تھی!

موم سے نازک جسم سحر کو ڈکھتا تھا  
دیئے جلا کر شب بھر آپ پکھلتی تھی!

تیز ہوا کو روک کے اپنے آنچل پر  
سوکھے پھول اکٹھے کرتی پھرتی تھی

سب پر ظاہر کر دیتی تھی بھیج اپنا  
سب سے اک تصویر چھپائے رکھتی تھی  
  
کل شب چکنا پور تھا دل اُس کا  
یا پھر پہلی بار وہ کھل کر روئی تھی  
  
محن کیا جانے کیوں دھوپ سے بیٹھی بے پروا  
وہ اپنے گھر کی دلیز پر بیٹھی تھی؟



اور کیا ہیں اپنی بزم آرائیاں  
مل کے بیٹھے بانٹ لیں تنہائیاں  
  
حاصل خوشبو خزان کی بانجھ رُت  
شہرتوں کی انتہا --- رسایاں

قرب کا موسم بھی کیا موسم تھا جب  
ناپتے تھے روح کی گہرائیاں!

ہجر کے لمحے بھی کیا لمحے ہیں اب  
بجھتی جاتی ہیں تیری پر چھائیاں!

گون سی دہن کا اجزا ہے سہاگ?  
رو پڑی ہیں بے سب شہنائیاں

یاد آئیں بچپنے کی سب ضدیں  
جس طرح روٹھی ہوئی بھائیاں

اس کی میری خواہشوں کا اتفاق  
جیسے آپس میں ملیں ماں جائیاں

اُس کے خال و خد کی تشبیہیں نہ پوچھ  
رنگ، رم، جہنم، روشنی، رعنائیاں

پوچھ مت محسن اندھیرے بھر کے  
چاند سی کیا صورتیں گھنائیاں!!

کون یاد آتا ہے؟

جب تری کلائی میں  
چوریاں ہنلتی ہیں  
جب شر پلکوں کی  
پالمیں چھنلتی ہیں

جب فضا کا سناٹا  
خود سے گنگنا تاتا ہے  
کون یاد آتا ہے؟

جب تری نگاہوں میں  
دونوں وقت ملتے ہیں  
جب طلب کی راہوں میں  
کھل کے پھول کھلتے ہیں

جب خیال کا پنچھی  
خوف سرسراتا ہے  
کون یاد آتا ہے؟

اجنبی سی آہٹ پر  
جب بھی دل دھڑک جائے  
جب بھی گفتگو خود سے  
حلق میں انک جائے

دل میں چورسا کوئی  
جب بھی مسکراتا ہے  
کون یاد آتا ہے؟

جب بھی گھپ اندھیرے میں

بجلیاں چمکتی ہیں  
جب بج کواڑوں پر  
آندھیاں لپکتی ہیں

جب رگوں میں انجانا  
خوف سرسراتا ہے  
کون یاد آتا ہے؟

خواہشوں کی بستی میں  
واہموں کے میلے ہیں  
بے کراں اُداسی میں  
ہم سمجھی اکیلے ہیں

خود سے دل دھڑکتا ہے  
خود سے ڈوب جاتا ہے  
کون یاد آتا ہے؟  
کون یاد آتا ہے؟



ترکِ محبت کر بیٹھے ہم، ضبطِ محبت اور بھی ہے  
ایک قیامت بیت چکی ہے، ایک قیامت اور بھی ہے

ہم نے اُسی کے درد سے اپنے سانس کا رشتہ جوڑ لیا  
ورنہ شہر میں زندہ رہنے کی اُگ صورت اور بھی ہے

ڈوبتا سورج دیکھ کے خوش ہو رہنا کس کو راس آیا  
دن کا دکھ سہہ جانے والوں رات کی وحشت اور بھی ہے

صرف رتوں کے ساتھ بدلتے رہنے پر موقوف نہیں  
اُس میں بچوں جیسی ضد کرنے کی عادت اور بھی ہے

صدیوں بعد اُسے پھر دیکھا، دل نے پھر محسوس کیا  
اور بھی گھری چوٹ لگی ہے، درد میں شدت اور بھی ہے

میری بھیتی پکوں پر جب اُس نے دونوں ہاتھ رکھے  
پھر یہ بھید کھلا ان اشکوں کی کچھ قیمت اور بھی ہے

اُس کو گنا کر محسن اُس کے درد کا قرض چکانا ہے  
ایک اذیت ماند پڑی ہے ایک اذیت اور بھی ہے!



آب کے سفر میں تشنہ لہی نے کیا بتائیں، کیا کیا دیکھا؟  
صحراوں کی پیاس بجھاتے دریاؤں کو پیاسا دیکھا

شاید وہ بھی سرد رتوں کے چاند سی قسمت لایا ہوگا  
شہر کی بھڑ میں اکثر جس کو ہم نے تنہا تنہا دیکھا

چارہ گروں کی قید سے چھوٹے، تعبیریں سب راکھ ہوئی ہیں  
اب کے دل میں درد وہ اُترا، اب کے خواب ہی ایسا دیکھا

رات بہت بھلنکے ہم لے کر آنکھوں کے خالی مشکیزے  
رات فرات پہ پھر دشمن کے لشکریوں کا پھرا دیکھا

درد کا تاجر بانٹ رہا تھا گلیوں میں مجرموں تینسم  
دل کی چوت کوئی کیا جائے، زخم تو آنکھ میں گہرا دیکھا

جس کے لیے بدنام ہوئے ہم، آپ تو اُس سے مل کر آئے  
آپ نے اُس کو کیا پایا --- آپ نے اُس کو کیا دیکھا؟

کیا شخص تھا زرد رتوں کی بھیڑ میں جب بھی سامنے آیا  
اُس کو دھوپ سا کھلتا پایا، اُس کو پھول سی کھلتا دیکھا

اُب کی چادر تان کے جھیل میں ساتوں رنگ رچانے اُترا  
موجہ آب کی تہہ میں جانے چاند نے کس کا چہرہ دیکھا

تیرے بعد ہمارے حال کی ہر رُت آپ گواہی دے گی  
ہر موسم نے اپنی آنکھ میں ایک ہی درد کا سایا دیکھا

محسن بند کواڑ کے پچھے ڈھونڈ رہی ہے، سہی شمعیں  
جیسے عمر کے بعد ہوا نے میرے گھر کا رستہ دیکھا



آنکھ بے منظر طلب بے آرزو ایسی نہ تھی  
تجھ سے پہلے فصلِ خواہش بے نمو ایسی نہ تھی

جبس بھی آتا تھا، مر جھاتی تھیں کلیاں بھی مگر  
شہر کی آب و ہوا بے رنگ و بو ایسی نہ تھی

اب تو ہر رستے سے پوچھوں تیری آہٹ کا سرائے  
شوq تھا ملنے کا لیکن جتنو ایسی نہ تھی

یا میں تیرے خال و خد میں اس قدر کھویا نہ تھا  
یا تری تصوری پہلے ہو بھو ایسی نہ تھی

آب کے در آئی قفس میں فصلِ گل ورنہ کبھی  
خشتگی دامن کی، محتاجِ رفو ایسی نہ تھی

گلبنِ یاقوت میں رقصِ شر کیا دیکھتے؟  
اس کے لب، جیسے وہ لب تھے گفتگو ایسی نہ تھی!

اب کے محسن کیا کہیں کیا ہو مالِ سیرِ گل؟  
خواہشِ آوارگی دل میں ”کھو“ ایسی نہ تھی

تو کیا ہوگا---؟

تو کیا ہوگا؟  
یہی ہوگا کہ تم مجھ سے پچھر جاؤ گی  
جیسے رنگ سے خوبصورت  
بدن سے ڈورسانوں کی!  
گرفت شام سے--- ناراض سورج کی کرن  
اک دم پچھر جائے!

کہ جیسے رات کے پچھلے پہر  
خوابیدہ گلیوں،  
نیم خوابیدہ گھروں میں زلزلہ آئے  
تو اک بستی اجز جائے!  
کہ جیسے دھوپ کے صحرائیں  
تشنہ لب، بھٹکتے بھولتے بے گھر پرندوں  
سخت جاں پیڑوں، بگلوں کے ہنور میں  
اپنی چھاؤں بانٹا بادل--- پھر جائے!  
تو کیا ہوگا؟

یہی ہوگا کہ--- میں تم سے جدا ہو کر  
کہیں تقسیم ہو جاؤں گا  
لمحوں میں بکھر جاؤں گا  
تنہائی کے اندر ہے غار کی تہہ میں اتر جاؤں گا  
تم سے روٹھ کر--- خود سے خفا ہو کر---!!  
تو کیا ہوگا؟  
یہی ہوگا---

نہ کوئی زلزلہ آئے گا  
کوئی آنکھ نہ ہوگی نہ سناٹا  
بچھے گا شہر کی گلیوں میں  
زفیں کھول کر روئے گی تنہائی  
نہ شہر دل فگاراں میں  
کوئی محشر پا ہوگا---!  
تو کیا ہوگا---?  
تمہارے ساتھ  
اپنے رنگ ہوں گے!

روشنی ہوگی---!!

ستارے بانٹتے خوابوں کا  
اپنا سلسلہ ہوگا---!

تو کیا ہوگا---?  
مگر سوچو، کسی تنہا سفر میں  
جب مری آواز کے بے ربط رشتؤں سے  
تمھارا سامنا ہوگا---!  
تو کیا ہوگا؟



دل کہاں، کرب دل آزاری کہاں؟  
زلزلوں کی زد میں ہے کچھا مکاں!

لمحہ بھر کے بھر نے پھیلا دیا---!  
اک زمانہ تیرے میرے درمیاں

ناچتی ہے دھوپ سی آنکھوں میں، جب  
بارشوں میں بھیکتی ہیں لڑکیاں!

کل اُسے دیکھا نئے ملبوس ہیں---!  
جیسے رنگوں کے بھنور میں کہکشاں

بادباں جب سے ہوا کی زد میں ہیں  
ساحلوں سے خوف کھائیں کشتیاں

جنگلوں کے پیڑ ہیں سبھے ہوئے  
جنگنوؤں کو دھونڈتی ہیں بجلیاں

نیند کیا ٹوٹی کہ دل مُرجھا گیا!  
اڑ گئیں خوابوں کی ساری تتلیاں

سوچنا محسن سفر کے شور میں  
گھر کا سنانا تھا کتنا مہرباں!



خواب آنکھوں میں چھو کر دیکھوں  
کاش میں بھی کبھی سو کر دیکھوں

شاید ابھرے تری تصویر کہیں!  
میں تری یاد میں رو کر دیکھوں

اسی خواہش میں مٹا جاتا ہوں  
تیرے پاؤں تری ٹھوکر دیکھوں

اشک ہیں وہم کی شبنم کہ لہو؟  
اپنی پلکیں تو بھلکو کر دیکھوں

کیا لگتا ہے بچھڑ کر مانا ۔۔۔؟  
میں اچانک تجھے کھو کر دیکھوں؟

اب کہاں اپنے گریاں کی بہار?  
تار میں زخم پرو کر دیکھوں

میرے ہونے سے نہ ہونا بہتر  
تو جو چاہئے ترا ہو کر دیکھوں؟

روح کی گرد سے پبلے محسن!  
 DAG دامن کو تو دھو کر دیکھوں

## میں تیرے شہر سے گزراتو۔۔۔!

میں تیرے شہر سے گزرنا تو کچھ عجب سا لگا!  
 ہر ایک موڑ پہ ناکام حسرتوں کا ہجوم  
 ہر ایک راہ میں مقروض خواہشوں کی قطار  
 ہر اک قدم پہ شکستہ ندامتوں کے مزار  
 ہر ایک آنکھ میں مرگ تعلقات کا سوگ  
 ہر اک روشن پہ روای جتھوئے رزق میں لوگ  
 تمام لوگ وہی لوگ تھے کہ جن سے بھی  
 نظر چرا کے گزرتا تھا میں ہوا کی طرح  
 تمام سائے مری آنکھ میں بکھرتے رہے  
 کسی قریب کی بستی کے آشنا کی طرح  
 میں تیرے شہر سے گزرنا تو کچھ عجب سا لگا  
 کہ جیسے شہر وہی ہے وہی نہیں ہے مگر  
 کوئی ٹیکی، کوئی منظر، کسی روشن کا مزاج  
 جبین خاک میں پیوست ہیں فراق کے داغ  
 فضائے زرد کے سائے میں احتیاط کے ساتھ  
 اُجاڑ بام پہ جلتا ہوا --- اُداس چراغ  
 ہوا سے پوچھ رہا تھا --- اک اجنبی کی طرح  
 مرے سفر کا سبب، تیرے ہمسفر کا شراغ!

ہر اک سوال مجھے کتنا بے سبب سا لگا  
 میں تیرے شہر سے گزرنا تو کچھ عجب سا لگا



بکھرتا جسم مری جاں کتاب کیا ہوگا?  
 تمہارے نام سے اب انتساب کیا ہوگا?

تم اپنی نیند بھرے شہر میں تلاش کرو!  
جو آنکھ راکھ ہوئی اُس میں خواب کیا ہوگا؟

وہ میری شہمتیں اپنے بدن پہ کیوں اوڑھے  
مرے گناہ کا اُس کو ثواب کیا ہوگا؟

ہوا میں اُس کی مسافت زمیں پہ میرا سفر  
وہ شہسوار مرا ہر کاب کیا ہوگا؟

اُسے گنا کے میں اب کس کے خدو خال پڑھوں  
اب اُس سے بڑھ کے مرا انتخاب کیا ہوگا؟

ملے گا ڈوبنے والوں کو اجر، جو بھی ملے!  
سمندروں کا مگر اخساب کیا ہوگا؟

ہمارے بعد ہمیں یاد کیوں کرے گا کوئی؟  
ہوا کا نقش سر سطح آب کیا ہوگا؟

بکھرتے ٹوٹتے محسن کو اور کیا کہنا  
خراب اور وہ خانہ خراب کیا ہوگا؟



ختم ہوئے پیغام سلام  
اُس کے بھر کے نام سلام!

لحظہ بے انجام --- دعا!  
دیدہ بے آرام --- سلام

ماند پڑا ہر یاد کا چاند  
اے گرد ایام --- سلام

تیری مرضی دیکھ نہ دیکھ  
رکیروں کا کام سلام

کہنا غزلوں کو مکتوب  
لکھنا اُس کے نام -- سلام

جگ مری صح اعزاز  
کرنے آئی شام سلام

لئے شہر عذاب بخیر!  
بجھتے کوچہ و بام سلام!!

خواہش تسلیم، عمر دراز  
حضرت درد انعام سلام

محسن اُس کے طور آخر  
ناز، انداز، خرام سلام

ابھی کیا کہیں---?

ابھی کیا کہیں --- ابھی کیا سُنیں?  
کہ نہ فصلِ سکوتِ جاں  
کفِ روز و شب پر شر نما  
وہ جو حرف حرف چراغ تھا  
اُسے کس ہوا نے بجھا دیا؟

کبھی اب بلیں گے تو پوچھنا!

سر شہر عہد وصالِ دل  
وہ جو نکھتوں کا ہجوم تھا

کبھی گل کھلیں گے تو پوچھنا!

کبھی پھر ملیں گے تو پوچھنا!

اُسے دستِ موجِ فراق نے  
تبہہ خاک کب سے ملا دیا؟

ابھی کیا کہیں ۔۔۔ ابھی کیا سنیں؟  
مُونہی خواہشوں کے فشار میں  
کبھی بے سبب ۔۔۔ کبھی بے خلل  
کہاں کون کس سے بچھڑ گیا؟  
کہے، کس نے کیسے گنوایا؟



چمن میں جب بھی صبا کو گلاب پوچھتے ہیں  
تمہاری آنکھ کا احوال، خواب پوچھتے ہیں

کہاں کہاں ہوئے روشن ہمارے بعد چراغ؟  
ستارے دیدہ تر سے حساب پوچھتے ہیں

وہ تشنہ لب بھی عجب ہیں جو موجِ صحرا سے  
سراغِ خُبُس، مزاجِ سراب پوچھتے ہیں

کہاں بسی ہیں وہ یادیں، اجڑانا ہے جنھیں؟  
دلوں کی بانجھ زمیں سے عذاب پوچھتے ہیں

برس پڑیں تری آنکھیں تو پھر یہ بھید کھلا  
سوالِ خود سے بھی اپنا جواب پوچھتے ہیں

ہوا کی ہمسفری سے اب اور کیا حاصل؟  
بس اپنے شہر کو خانہ خراب پوچھتے ہیں

جو بے نیاز ہیں خود اپنے خُس سے محن  
کہاں وہ مجھ سے مرا انتخاب پوچھتے ہیں؟



زندگی ہے فرات کا پانی  
 تیرا مبوس۔ میری گریانی  
 دامنِ عقل میں ہے نادانی  
 دیکھا جزے گھروں کی ویرانی!  
 رقص کرتی ہے رات کی رانی  
 مو جزن دل میں ہے خیالِ ترا  
 بادشاہت سے قیمتی محسن  
 بارگاہِ علّت کی دربانی!



روشنی جب مرے مکان میں ہو!  
 کیوں اندر ہرا کسی کے دھیان میں ہو؟

اُس کی رفتار کا مزاج نہ پوچھ  
 جیسے تازہ غزل اڑان میں ہو!

جس میں کشیاں لرزتی ہیں!  
 کوئی سازش نہ بادبان میں ہو؟

موت کی آہوں سے کون ڈرے  
 زندگی جب تری امان میں ہو!

کیوں نہ پہنے سیہ لباس زمیں  
 چاند جب دُن آسمان میں ہو

یوں تری یادِ دل میں ہے جیسے  
 تیر نوٹی ہوئی کمان میں ہو!

تم یقین سوچے نہ کسیے محسن؟  
تم یقین ہو مگر ٹھمان میں ہو!

سُنا ہے زمیں پر ۰۰۰۰۰!

سُنا ہے

زمیں پر وہی لوگ ملتے ہیں۔۔۔ جن کو  
بکھی آسانوں کے اُس پار  
روحوں کے میلے میں  
اک دوسرے کی محبت ملی ہو۔۔۔

گمراہ۔۔۔

کہ میرے لیے نفرتوں کے اندر ہیرے میں  
ہنستی ہوئی روشنی ہو

لہو میں رچی!  
رگوں میں بکی ہو!!

ہمیشہ سکوتِ شب غم میں آوازِ جاں بن کے  
چاروں طرف گوچتی ہو!

اگر آسانوں کے اُس پار  
روحوں کے میلے میں بھی مل چکی ہو!  
تو پھر اس زمیں پر

مری چاہتوں کے کھلے موسموں سے گریزاں  
مری دھوپ چھاؤں سے  
کیوں اجنبی ہو؟

کتابوں میں لکھتی ہوئی۔۔۔  
اور کانوں سنی۔۔۔

ساری باتیں غلط ہیں۔۔۔؟  
کہ تم ”دوسری“ ہو۔۔۔؟؟؟



سُورج کا خوف دل سے بھلا دینا چاہیے  
اب اپنا سر سن پ سجا دینا چاہیے

یارو اسی کے دم سے ہیں مقتل کی رونقیں  
قاتل کو زندگی کی دعا دینا چاہیے

صحرا سجا رہا ہے بگواں کا اک جلوس  
سائے کو راستے میں بچھا دینا چاہیے

شب خوں نہ مار دے کہیں لشکر ہواں کا  
شاخوں سے پنچھیوں کو اڑا دینا چاہیے

یہ کیا کہ دوسروں کو سُنائیں حدیثِ غم  
اک روز خود کو ہنس کے رلا دینا چاہیے

کرنوں کی بھیک مانگتی پھرتی ہے خلقِ شہر  
اب وقت ہے کہ گھر کو بھلا دینا چاہیے

محسن طلوع اشک دلیلِ سحر بھی ہے  
شب کٹ گئی چراغ بچھا دینا چاہیے

### سفر جاری رکھو اپنا

(خالد شریف کے لیے ایک ادھوری نظم)

یہ شیشے کے غلافوں میں دھڑکتی، سوچتی آنکھیں  
نجانے کتنے پر اسرار دریاؤں کی گہرائی میں

بکھرے موتیوں کی آب سے نہم ہیں  
پہاڑوں سے اترتی گھر میں لپٹا ہوا  
یہ سانو لا چہرہ!  
نجانے کتنی کجلائی ہوئی صحبوں کے سینے میں  
محلتی خواہشوں کا آئینہ بن کر  
دملتا ہے!  
یہ چہرہ، گرب کے موسم کی بھتی دو پہر میں بھی  
چمکتا ہے!!  
یہ اب یہ شنگی کی موج میں بھیکے ہوئے  
”مرجان“

شعاعِ حرفا جن سے پھوٹی ہے سُرخ رو ہو کر!  
یہ اب جب شعلہ آواز کی حدّت میں تپ کر مسکراتے ہیں  
تونا دیدہ سرابوں کی جبیں پر  
بے طلب کتنے ستارے جھلما تے ہیں  
یہ اب جب مسکراتے ہیں  
تو پل بھر کو سکوت گنبد احساس  
خود سے گونج اٹھتا ہے!!  
یہ پیکر!

یہ حادث کے مقابل بھی کشیدہ قامت و خوش پیر ہن، پیکر  
کہ جیسے بارشوں کے رنگ بر ساتی ہوئی رُت میں  
خرام ابر پر قوسِ قزح نے  
اپنی انگرالی چھڑک دی ہو!

کوئی آواز!  
جب تنہا مسافت میں مرے ہمراہ چلتی ہے  
کوئی پر چھائیں  
جب میری بھی آنکھوں میں چھختے اشک چنتی ہے  
تلخ بھر کوڑک کر سوچتا ہوں میں  
کہ اس تنہا مسافت میں  
کسی صحرائیں سائے بانٹتے اشجار کی خوشبو ہے  
یا تم ہو یا تم نا کے سفر میں

یہ تم ہو یا طلب کی رگنڈر میں  
حوالوں کا استعارہ ہے؟  
یہ تم ہو یا طلب کی رگنڈر میں  
گم ستارہ ہے؟

ہو اتم سے بجھتی ہے  
کہ تم اپنی ہتھیلی پر مشقت کا "دیا" بجھنے نہیں دیتے!  
حریفانِ قلم---نالاں  
کہ تم ان کی کسی سازش پکیوں برہم نہیں ہوتے؟  
ادب کے تاجر ان حرص پیشہ سر بہ زانو ہیں  
کہ تم اہل ہنر کے ریزہ ریزہ خواب  
اپنی جاگتی پلکوں سے چُن کر  
سانس کے ریشم میں  
کیوں اتنی مشقت سے پروتے ہو  
مگر جانا، تمھیں کیا؟  
تم سفر جاری رکھو اپنا،  
سفر میں سنگباری سے لہو ہونا  
بگدر کے زخم سے رستے لہو سے آبلے دھونا---  
اُزل سے ہم غریبانِ سفر کی اڑاک روایت ہے!  
تمھیں کیا تم سفر جاری رکھو اپنا---!  
تمھاری آبلہ پائی کا عنوان "نارسائی" ہے  
تمھیں آتا ہے  
ڈشمن کے لیے وقفِ دعا رہنا  
اندھیروں سے الجھنا۔ سنگباری کی رُتوں میں "بے قبا" رہنا  
تمھیں آتا ہے۔۔۔ یوں بھی زخم کھا کر مُسکرا دینا  
تمھیں آتا ہے  
گر دروز و شب سے "ماوراء" رہنا